من شر ما خلق

تنزیلہ ریاض

WWW.PAKSOCIETY.COM

من شر ما خلق

میں نے کہیں پڑھا تھا کہ مرد کے دل میں دوسری شادی کی خواہش پہلی شادی کے کچھ عرصہ بعد ہی پیدا ہو جاتی ہے تو مجھے اس بات کی صداقت پر فوراً یقین آ گیا تھا۔

مرد کے اندر دوسری شادی کی خواہش کمر کی کھجلی کی طرح ہوتی ہے جس طرح بھری محفل میں اچانک کمر میں کھجلی پیدا ہو جائے تو انسان کس قدر مجبور ہو جاتا ہے اور ہزار خواہش کے باوجود کمر نہیں کھجا سکتا اگرچہ پہلو بدلتا ہے، کندھوں کو اس طرح سے حرکت دیتا ہے کہ کسی کی نظر میں آئے بغیر کمر کھجا سکے مگر کھجا نہیں پاتا بالکل اسی طرح دوسری شادی کی خواہش بھی مرد کو بے بس کر دیتی ہے۔

ہو سکتا ہے کہ آپ میری بات سے اتفاق نہ کر سکیں مگر میں پھر بھی یہ بات وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ایسا ہوتا ہے۔ مرد کی فطرت، عورت کی فطرت سے مختلف ہوتی ہے وہ کسی ایک چیز پر اکتفا مشکل سے ہی کرتا ہے خیر مرد اور عورت کا معاملہ زیر بحث نہیں ہے، بات خواہش اور اس معاشرے کی روایات کی ہو رہی ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ کمر کو بھری محفل میں کیوں نہیں کھجایا جا سکتا یا پھر شاید میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس معاشرے میں دوسری شادی کرنے والوں کو عزت کی نظر سے کیوں نہیں دیکھا جا سکتا۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ نے دوسری شادی جائز قرار دے دی تو معاشرہ اس کو بری نظر سے کیوں دیکھتا ہے؟ اللہ کے فیصلے کو برا کہنے کا ہمیں تو کوئی حق نہیں تو پھر ہم ان لوگوں کو "تماشا" کیوں قرار دے دیتے ہیں جو میرا مطلب ہے دوسری شادی کرتے ہیں۔

ایسے بات کہاں سمجھ میں آئے گی۔ میرا خیال ہے مجھے آپ کو جزئیات کے ساتھ بتانا پڑے گا تب ہی آپ کو بات سمجھ میں آ سکے گی۔

مجھے سوچنے دیجیے کہ میں بات کہاں سے شروع کروں۔۔۔

ہاں میں بتاتا ہوں۔۔۔یہ قصہ شروع ہوا ایک صبح جب۔۔

"مما! میلی ٹیچل بوت اچھی ایں۔" ہشام کے منہ سے یہ فقرہ ادا ہوا اور ساتھ ہی عفیرہ کی پیشانی پر کئی بل پڑ گئے

اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑا گریپ فروٹ کے جوس کا گلاس ٹھک کی آواز کے ساتھ ڈائننگ ٹیبل پر رکھ دیا۔ مجھ سمیت دریہ نے بھی ہونقوں کی طرح اس کے ماہتابی چہرے کی جانب دیکھا۔ میں دریہ کے لیے سلائس میں مارجرین لگا رہا تھا اور اپنے حساب سے بہت نفاست سے لگا رہا تھا۔ اس لیے پہلے پہل تو مجھے قطعاً سمجھ میں نہیں آیا کہ میری زوجہ محترمہ کی نفیس طبیعت پہ کیا چیز گراں گزری ہے۔ میں نے کن اکھیوں سے دریہ کی جانب دیکھا۔ وہ بدستور ابلا ہوا انڈا کھانے میں مصروف تھی۔ میں نے دوسری نظر ہشام پر ڈالی اس کے نیپکن کی پوزیشن بالکل درست تھی۔ ان دونوں کو دیکھنے کے بعد میں نے اپنی کارکردگی کا جائزہ لینا ضروری سمجھا۔ میں سیدھے ہاتھ سے مارجرین لگا رہا تھا۔ سلائس بھی ہاتھ میں پکڑنے کے بجائے پلیٹ میں رکھا ہوا تھا تو پھر کیا۔۔۔؟

آخر وہ کیا بات تھی جس نے میری حسین و جمیل بیوی کو صبح ہی صبح ناگواری میں مبتلا کیا تھا۔

"مما! میری ٹیچر بہت اچھی ہیں۔۔" آئندہ آپ نے "میری" کے بجائے "میلی" کہا تو میں بہت بری طرح پیش آؤں گی۔"

عفیرہ نے ہشام کی جانب دیکھتے ہوئے سخت لہجے میں تنبیہہ کی اور ساتھ ہی ہم سب کی حیرت رفع کرنے میں خاطر خواہ مدد کی۔

تین سالہ ہشام کچھ روز قبل L G S کے پلے گروپ میں داخل ہوا تھا۔ اس کی سمجھ میں اپنی غلطی کچھ آئی

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

اور کچھ نہیں آئی۔ ابھی وہ اتنا سمجھدار نہیں تھا کہ ماں کی نازک مزاجی کو ٹھیک سے سمجھ پاتا یا کوئی اہمیت دیتا مگر اس سے سات سال بڑی دریہ کافی سہم گئی۔ بے چاری بچی اچھی بھلی کانٹے کی مدد سے انڈا کاٹ کاٹ کر کھانے میں مصروف تھی ماں کی اونچی آواز سے اس قدر بدحواس ہوئی کہ کانٹے میں اٹکا انڈا منہ میں رکھنے کی بجائے پلیٹ میں گرا بیٹھی پھر دوبارہ کانٹے سے اٹھانے کے بجائے ہاتھ سے اٹھا کر منہ میں رکھ لیا اور گویا اپنی شامت کو آواز دے ڈالی۔

"دریہ! یہ کیا جہالت ہے۔۔یہ فورک کیا صرف مجھے دکھانے کے لیے ہاتھ میں پکڑ رکھا ہے۔ ٹھیک سے اس کا استعمال کیجیے۔"

عفیرہ نے پہلے سے زیادہ سخت لہجے میں کہا۔ ہشام کی نسبت دریہ کچھ زیادہ ہی زود رنج واقع ہوئی تھی۔ جس کا مزاج بالکل اپنے باپ یعنی مابدولت کی طرح کا تھا۔

"سوری مما! آئی ایم رئیلی ویری سوری۔" اس نے آنکھوں کو جھپکتے ہوئے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔

مجھے اپنی معصوم بچی پر ڈھیروں پیار آیا۔ دل چاہا کہ اسے ساتھ لگا کر خوب پیار کروں اور اس کی ماں کی نظروں سے کہیں دور لے جاؤں مگر یہ ممکن نہیں تھا۔ میری پدرانہ شفقت سے بھرپور کوئی بھی حرکت عفیرہ کو مزید ناگوار گزرتی، اس کے غصے میں اضافہ ہوتا اور اس حالت میں وہ ٹھیک ٹھاک بدتمیز ہو جاتا کرتی تھی۔ بچوں کے سامنے دونوں ہی عموماً ایک دوسرے کے ساتھ کوئی باز پرس نہیں کرتے تھے۔ اسی لیے دریہ کی آنکھوں کی نمی سے آنکھیں چراتے ہوئے میں نے مارجرین لگا سلائس اس کی پلیٹ میں رکھا اور پھر پچکار کر بولا۔

"جانو! ابھی اس کو بھی ختم کرنا ہے، جلدی کیجیے آپ آل ریڈی لیٹ ہو چکی ہو۔"

اس کے لیے اتنا جذباتی سہارا ابھی کافی تھا۔ اس نے خاموشی سے سلائس کھانا شروع کر دیا۔ عام طور سے وہ سلائس کھانے کے معاملے میں بہت چوں چرا کرنے کی عادی تھی مگر چونکہ آج صبح سویرے ہی ڈانٹ کی ڈوز

مل چکی تھی اس لیے اس نے چپ چاپ سلائس ختم کیا۔ اوولٹین ملے دودھ کا چھوٹا سا گلاس خالی کیا پھر "ایکسکیوزمی" کہہ کر ڈائننگ ہال میں لگے واش بیسن کی سمت مڑ گئی۔ چند لمحوں بعد ڈرائیور نے ہارن بجانا شروع کر دیا۔ جس دن مجھے سرجری کے لیے لیٹ ہاسپٹل جانا ہوتا تھا اس روز ڈرائیور بچوں کو اسکول چھوڑ دیتا تھا۔ دونوں کے اسکول بیگز عفیرہ پہلے ہی چیک کر چکی تھی میں نے ہشام کو گود میں اٹھایا، دریہ کی انگلی تھامی اور باہر کی سمت چل دیا۔ بچوں کے بیگز تھامے ملازم اور عفیرہ کی خونخوار نگاہوں نے باہر تک میرا پیچھا کیا تھا۔ عفیرہ کا خیال تھا کہ میں اس طرح کی باتوں سے بچوں کو اپنا عادی بنانے کی کوشش کرتا ہوں۔ ڈرائیور گاڑی گیٹ سے باہر نکال چکا تھا۔ میں نے گیٹ کے قریب پہنچ کر ہشام کے ماتھے پر پیار کیا اور پھر اسے ڈرائیور کے حوالے کر دیا۔ دریہ میری انگلی تھامے زمین کی جانب دیکھ رہی تھی۔ میں دیکھے بغیر بھی اس کے چہرے پر چھائی پژمردگی کو محسوس کر سکتا تھا۔ اپنے نائٹ گاؤن کو سمیٹ کر میں پنجوں کے بل بیٹھ گیا اور پھر مسکراتے ہوئے دریہ کو اپنے سینے سے لگا لیا۔

ایک عجیب سا سکون میرے رگ وپے میں سرایت کرنے لگا۔ مجھے اپنی بیٹی سے بہت محبت تھی اس کی ننھی بانہیں میری گردن کے گرد لپٹی ہوئی تھیں۔

"آئی لو یو بابا!" اس کی محبت بھری آواز میری سماعتوں سے ٹکرائی۔

"آئی لو یو ٹو جانو!" میں نے گرفت کو مضبوط کرتے ہوئے پُرشفقت لہجے میں کہا۔ عفیرہ کے نام نہاد ایٹی کیٹس اور اصولوں سے گندھے رویے نے ہم باپ بیٹی سے ایسے لاتعداد لمحے چھین رکھے تھے۔ میں نے دریہ کو خود سے علیحدہ کیا پھر اس کی پیشانی چوم لی۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ نائٹ گاؤن میں اندرونی پاکٹ میں ہاتھ ڈال کر میں نے سو روپے کا نوٹ باہر نکالا اور دریہ کی مٹھی میں بند کر دیا۔

"آج اپنی فرینڈز کو بھی چاکلیٹس کھلانا اور خود بھی کھانا مگر مما کو کانوں کان خبر نہیں ہونی چاہیے۔"

میری حرکت بے شک غلط تھی مگر دریہ کی آنکھوں میں چمکتے ننھے ننھے چراغوں نے مجھے کسی قسم کی شرمندگی میں مبتلا نہ ہونے دیا۔ نوٹ کو اسی طرح ہاتھ میں دبائے میرے گال پر پیار کر کے وہ گاڑی میں جا بیٹھی۔

عفیرہ کی ڈانٹ نے صبح ہی صبح اس کے موڈ کو آف کر دیا تھا مگر میری محبت نے اس کے مزاج کی شگفتگی کو منٹوں میں بحال کیا تھا۔ بچوں کی معصومیت کا یہی تو فائدہ ہوتا ہے وہ ذرا سی خفگی کو کینہ نہیں بننے دیتے اور پیار سے سمجھانے پر ہر بات باآسانی سمجھ لیتے ہیں، لیکن یہی بات عفیرہ کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ وہ بچوں کو زندگی کے ہر معاملے میں منفرد دیکھنا چاہتی تھی۔ اس لیے اس کی پرورش کا انداز بھی کچھ زیادہ ہی "منفرد" ہوتا جا رہا تھا۔ فوجی باپ کی بیٹی ہونے کی وجہ سے نام نہاد ڈسپلن کے چکر میں بچوں پر بے جا غصہ کر جاتی تھی اگرچہ میں اس کے کسی معاملے میں روک ٹوک نہیں کرتا تھا اور حقیقت تو یہ تھی کہ وہ روک ٹوک برداشت کرتی بھی نہیں تھی، مگر پھر بھی جب وہ بچوں پر زیادہ غصہ کرتی تھی تو میرا موڈ بھی آف ہو جاتا تھا۔

میں واپس ڈائننگ ہال میں آیا تو وہ وہیں موجود تھی حالانکہ میرا خیال تھا کہ وہ واک آؤٹ کر چکی ہو گی۔

"عفیرہ یار! کبھی کبھی تم حد کر دیتی ہو۔ بھلا کیا ضرورت تھی صبح ہی صبح بچوں پہ اس طرح برسنے کی، سہم گئے تھے دونوں۔"

میں نے اپنے مخصوص انداز میں بات کا آغاز کیا۔ وہ جوس ختم کرنے کے بعد اب اخبار دیکھ رہی تھی ناشتے کی ٹیبل پر وہ جوس کے ساتھ "اخبار" لینا پسند کرتی تھی۔ خلاف توقع اس کا موڈ آف نہیں تھا میرے شکوے پر اس نے اخبار چہرے سے ہٹا کر میری جانب دیکھا اور پھر ناک سے مکھی اڑانے والے انداز میں بولی۔

"تمہارے لیے اور چائے بنا دوں؟"

گویا اس کے نزدیک میری بات کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ میں غصے میں آگ بگولا ہو گیا۔

"نو تھینکس۔ میں خود بنا سکتا ہوں۔" میں نے جل کر کہا اور کیٹل گھسیٹ کر کپ میں چائے انڈیلنے لگا۔

''تمہیں ایک ہی بات بار بار کیوں بتانی پڑتی ہے عباس!''عفیرہ نے اخبار کی سرخیوں پر نظریں دوڑاتے ہوئے کہااور گویایلغار کا آغاز کیا۔بظاہر اس کی نظر اخبار پر ہی تھی مگر میں جانتا تھا کہ اس کی ساری توجہ میری طرف ہے۔میں نے بغور اس کا جائزہ لیا۔محترمہ کس قسم کے طنز فرمانے کا ارادہ رکھتی تھیں،کم از کم چہرے سے کچھ پتانہیں چل پارہا تھا۔

''تین سال کا ہو چکا ہے ہشام۔۔ابھی تک طریقے سے بولنا شروع نہیں کیا اس نے۔بے شمار لفظ غلط تلفظ کے ساتھ ادا کرتا ہے اور زبان کی لکنت وہ تو تلاپن تو ملاحظہ فرما ہی لیا ہوگا تم نے۔۔''ر''کو ہمیشہ ''ل''کہے گا''ہ'' کی آواز کھا جاتا ہے جبکہ ''س''کو اکثر ''چھ''کہہ جاتا ہے۔میں نے پہلے بھی تم سے کہا تھا کہ یہ ایک غور طلب مسئلہ ہے مگر تم۔۔''

''کم آن عفیرہ!تم کیوں چھوٹی چھوٹی باتوں کو سر پر سوار کر لیتی ہو۔یہ سرے سے''مسئلہ''ہی نہیں ہے اور تم اسے ''غور طلب''بھی کہہ رہی ہو بہت چھوٹا ہے ابھی ہشام۔۔سارے چھوٹے بچے ایسے ہی بات کرتے ہیں اور ہشام صرف تتلاتا ہے،لکنت نہیں ہے اس کی زبان میں،وقت کے ساتھ ٹھیک ہو جائے گا۔''

میں زچ ہو کر بولا۔عفیرہ بہت دن سے میری توجہ اس ''مسئلے''کی جانب دلا رہی تھی۔دراصل جب سے ہشام پلے گروپ میں آیا تھا عفیرہ کو اس کا تو تلاپن زیادہ ہی کھلنے لگا تھا۔میری بات سن کر عفیرہ نے اخبار سے نظریں ہٹا کر میری جانب دیکھا۔

''وقت کے ساتھ ساتھ سب کچھ خود بخود ہی ٹھیک نہیں ہو جاتا۔

ہمارے بچے ہیں تو ان کی پرورش کی ذمہ داری بھی ہماری ہی ہے۔مجھے اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ سب بچے کیسے بولتے ہیں مجھے صرف اور صرف ہشام کے انداز گفتگو اور لہجے سے غرض ہے۔مجھے صرف اپنے بچوں کی تربیت سے دلچسپی ہے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

''فار گاڈ سیک عفیرہ!''میں نے اس کی بات کاٹی۔

''ہم تربیت میں کوتاہی نہیں کر رہے۔یہ تو بہت نیچرل سی بات ہے،باقی سب بچے بھی انسان ہی کے بچے ہوتے ہیں۔ایک خاص عمر تک ان کی عادات وغیرہ ایک جیسی ہو سکتی ہیں۔اگر کوئی بچہ قدرتی طور پر تتلاتا ہے تو اس کے پیرنٹس کو پرورش میں کوتاہی کے الزام میں پھانسی نہیں چڑھا دیا جانا چاہیے۔''

اس نے میرے لہجے کے اتار چڑھاؤ پر لمحہ بھر غور کیا،اخبار سے نظر ہٹا کر میری جانب دیکھا پھر اطمینان سے بولی۔

''بہر حال میں نے کہہ دیا،سو کہہ دیا۔تم کسی اسپیچ تھراپسٹ کا بندوبست کر لو ورنہ۔۔''

اس نے پھر توقف کیا میں اسی کی جانب دیکھ رہا تھا۔

''ورنہ میں ڈیڈی سے کہہ دوں گی۔وہ خود ہی سب ارینج کر لیں گے۔تم جانتے ہو،وہ میری بات کبھی نہیں ٹالتے۔''

اس کے ہونٹوں پر انتہائی دل جلانے والی مسکراہٹ تھی۔میرا اندر تک جل کر خاک ہو گیا۔مجھے اس کی مسکراہٹ سے سخت نفرت تھی۔

''اے ببر شیر کی بچی!کاش میں تمہارا منہ توڑ سکتا۔''میں نے دل ہی دل میں جل کر خود سے کہا۔اس کے چہرے پر وہی مسکراہٹ تھی۔جس کا مجھے صرف ایک مطلب سمجھ میں آتا تھا۔

''چہ۔۔چہ۔۔چہ۔۔لعنت ہے ان غنچوں پر۔''

''شہباز صاحب لائن پر ہیں سر!''احمد زبیر جسے ہم سب زبیری کہہ کر پکارتے تھے،نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھے دھیمی آواز میں مجھے بتایا۔مجھے انتہائی جھنجھلاہٹ ہوئی۔آج ہاسپٹل میں کافی مصروف دن گزرا تھا پھر کلینک پر بھی عام دنوں کے مقابلے میں کافی رش رہا۔میں آخری مریض کے چیک اپ کے بعد واش بیسن پہ

ہاتھ دھونے کے لیے بڑھنے ہی والا تھا کہ مجھے سسر صاحب کے فون کی اطلاع دی گئی۔

"ایک میں ہی آؤٹ آف لائن ہوں۔ باقی تو سب لائن پر ہیں۔"

میں نے بڑبڑاتے ہوئے اپنی ٹیبل پر سے ریسیور اٹھالیا۔

"جی میں ٹھیک ہوں۔۔ شکر الحمد وللہ۔۔ آپ کیسے ہیں؟" میں نے بات کا آغاز کیا۔ اپنی بیٹی کے بر عکس وہ کافی دھیمے مزاج کے انسان تھے، مگر پھر بھی میں ان سے بات کرتے ہوئے بہت محتاط ہو جایا کرتا تھا کہ بہر حال وہ میرے بزرگ تھے۔ ان کی عام لہجے میں کہی گئی بات بھی مجھے حکم ہی لگا کرتی تھی۔

"جی ضرور۔۔ چکر لگاؤں گا کسی دن، بس آج کل بہت مصروفیت ہے ڈیڈی! یقین کیجیے سر کھجانے کی بھی فرصت نہیں ملتی۔۔ ہاہاہا۔۔ آپ کو اپنی بیٹی کے مزاج کا انداز نہیں ہے۔ وہ میرا سر کہاں کھجائے گی۔ ایسی کوئی فرمائش کروں گا تو مجھے گنجا ہی کر دے گی۔"

ان کا ایک شریر سا جملہ میرے مزاج کو کسی قدر شگفتہ کر گیا تھا۔

"ٹال کہاں رہا ہوں ڈیڈی! عادت سے مجبور ہوں۔ میں چڑیا کو چیل نہیں سمجھ سکتا۔ جب وہ مسئلہ ہی نہیں ہے تو اسے مسئلہ کیوں سمجھوں۔"

میں نے گہری سانس بھرتے ہوئے کہا۔ عفیرہ نے ان سے میری شکایت کر ڈالی تھی۔ مجھے دکھ نہیں ہوا تھا مگر ایک عجیب سا تاسف پورے وجود کو گھیرے میں لینے لگا تھا۔ عفیرہ کی بے صبری اور حاکمانہ طبیعت کبھی کبھی مجھے دوسروں کی نظر میں بہت ڈی گریڈ کر دیتی تھی۔ مجھے اس بات کا ملال زیادہ تھا کہ ایک بار پھر مجھے لاپروا اور غیر ذمہ دار سمجھنے کا موقع مل گیا تھا۔ حالانکہ یہ پہلی مرتبہ نہیں ہوا تھا۔ عفیرہ کی مہربانی سے گزشتہ بارہ سالہ ازدواجی زندگی میں بارہا یہ مواقع آئے تھے، مگر اب شاید میں تھکنے لگا تھا۔ میرا موڈ جو ڈیڈی کی باتوں سے ذرا سا خوشگوار ہوا تھا ان کی ہدایات سنتے ہوئے پھر سے تلخ ہونے لگا، مگر ایک باشعور پڑھا لکھا انسان ہونے کے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

ناطے اپنے مزاج کی تلخی کو قابو میں رکھنا میرا فرض تھا۔

"جی ڈیڈی! اوکے۔۔ جیسے آپ کا حکم، جی جی، یعنی آپ نے اپائنٹمنٹ لے لیا ہے، ہاں جی، کینال ویو ہاؤسنگ سوسائٹی اوکے۔۔ میں لے جاؤں گا ہشام کو۔ جی تھینک یو ڈیڈی! اللہ حافظ۔۔"

میں نے پژمردگی سے کہتے ہوئے فون رکھ دیا۔ دوپہر تک ہاسپٹل میں خوار ہوتے ہوئے، کاریڈورز میں بھاگتے دوڑتے ایک کمرے سے دوسرے کمرے تک چکر لگاتے پھر اپنے کلینک میں مریضوں کے درمیان ان کی باتیں سمجھتے، انہیں ہدایات دیتے، ان کے مشکل امراض کی عام فہم ٹرمینالوجی سمجھاتے ہوئے بھی اس قدر تھکن نہیں ہوئی تھی۔ جتنی تھکن ڈیڈی کی ایک فون کال سے ہو گئی تھی۔

"بیٹا! تم کب اپنی ذمہ داریاں سمجھنا شروع کرو گے؟" بالخصوص ان کا یہ فقرہ میرے دل میں کھُپ کر رہ گیا تھا حالانکہ انہوں نے یہ بات عام دوستانہ لہجے میں کہی تھی۔ انہیں کیسے پتا چلتا تھا کہ میں ذمہ دار نہیں ہوں۔ میرے گھر کی عام سی باتیں اس قدر خاص ہو کر ان تک کیسے پہنچ جاتی تھیں۔ ظاہر ہے یہ سب اخبار میں تو نہیں چھپتا تھا یا ٹی وی ڈاکیومنٹری میں تو نہیں دکھایا جاتا تھا۔ عفیرہ ہی ان تک یہ ساری باتیں پہنچاتی تھی مگر وہ یہ سب کیوں کرتی تھی۔

"کیا بات ہے سر! کوئی پریشانی ہے؟" مجھے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے دیکھ کر زبیری نے پوچھا۔ وہ کسی قدر فکر مند لگ رہا تھا۔ شاید میرے چہرے کے تاثرات زیادہ ہی بگڑے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

"مسکرایئے سر! آپ مسکراتے ہوئے ہی اچھے لگتے ہیں۔"

زاہد نے چائے کا کپ میرے آگے رکھا۔ زبیری میرا اسسٹنٹ تھا اور زاہد، زبیری کا اسسٹنٹ تھا۔ اس کے علاوہ بھی دو کمپاؤنڈر ٹائپ لڑکے میرے پاس ملازم تھے مگر ان کے ساتھ میری زیادہ بے تکلفی نہیں تھی۔ وہ بیرونی سیکشن میں کاؤنٹر پہ ہوتے تھے۔

"مسکرا دیتے ہیں بھئی، اس میں کوئی روپے لگتے ہیں کیا؟"

میں نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ مسکرانا الگ بات ہے اور خوش ہونا ایک الگ بات، ہم بلاوجہ نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرا تو سکتے ہیں مگر خوش نہیں ہو سکتے۔ خوشی، آسودگی کا نام ہے اور آسودگی کا احساس اندر سے امڈتا ہے، جو میرے اندر مفقود ہوتی جا رہی تھی تو میں کیسے خوش ہوتا۔ مگر یہ بات میں اپنے ارد گرد رہنے والوں کو کیسے بتا دیتا کہ میں "خوش نہیں ہوں"۔ "خوش" نہ ہونے کا مطلب ہے کہ آپ "ناخوش" ہیں اور ناخوش ہونے کا مطلب ہے کہ آپ "ناکام" ہیں۔

کوئی بھی انسان اپنی پیشانی پر ناکامی کا لیبل پسند نہیں کرتا بالخصوص وہ انسان جس نے ارد گرد سے ہمیشہ ستائش سمیٹی ہو۔

"کیا کمی ہے تمہاری زندگی میں؟ کچھ بھی تو نہیں۔ ایک خوبصورت من چاہا لائف پارٹنر، اولاد کی نعمت، باوقار منافع بخش پروفیشن پھر بھی تم ناخوش ہو؟"

کوئی میرے اندر چیخ کر بولا۔ میں نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا۔ صد شکر کہ آپ کی ذات میں جو لاوا پکتا ہے وہ آپ کی ذات تک محدود رہتا ہے وگرنہ تو آپ کو بھرم قائم رکھنا ہی مشکل ہو جائے۔

"آپ کی چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے سر!"

زبیری نے میز کی سطح کو ناخن سے بجا کر مجھے متوجہ کیا۔ میں نے مسکراتے ہوئے کپ اٹھا لیا۔ مجھے ہر جگہ اپنا بھرم قائم رکھنا تھا۔ زبیری اپنا کپ لیے میرے سامنے والی کرسی پر آ بیٹھا تھا۔ وہ ایک خوش مزاج طبیعتاً بے حد مخلص اور محبت کرنے والا شخص تھا۔ چالیس کا ہندسہ کراس کرتے احمد زبیر کے لیے اپنے پرائے سب برابر تھے۔ ابھی تک غیر شادی شدہ تھا۔ اس لیے خود کو فٹ اور اسمارٹ رکھنے کا بے حد شوقین تھا۔ وہ عرصہ پانچ سال سے میرے آئی کلینک پر مختلف ذمہ داریاں سرانجام دے رہا تھا۔ اس کے اور میرے بیچ کافی دوستانہ

تھا۔

"آپ کافی تھکے ہوئے لگ رہے ہیں سر۔۔! میرا خیال ہے آپ کو آرام کی ضرورت ہے کسی ہل اسٹیشن سے ہو آیئے۔"

اس نے سپ لیتے ہوئے مشورہ دیا۔ میرا دل اس کی اس قدر محبت پر کھل اٹھا۔ آپ کو زندگی میں قدم قدم پر ایسے دوستوں کی ضرورت ہوتی ہے جو ہمہ وقت آپ کو تازہ دم کر سکیں۔

"نہیں یار! آج کل تو بہت مشکل ہے، یہی تو سیزن ہے۔ مالی حالات ویسے بھی کچھ گڑبڑ چل رہے ہیں۔ دو مہینے تک تو میں ہاسپٹل سے چھٹی ہی نہیں لے سکتا، ہر ایک کو وارننگ مل چکی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ مجھ سے کوئی جواب طلبی ہو۔"

میں نے کنپٹیوں کو سہلاتے ہوئے جواب دیا۔

"آپ کے سر میں درد ہو رہا ہے تو کوئی ٹیبلٹ لے لیجیے یا میں دبا دوں؟" اس نے محبت بھری پیشکش کی۔

"ارے نہیں بھائی! کیوں اس عمر میں میرا تماشہ بنوانے کا ارادہ ہے۔ کسی نے دیکھ لیا تو نجانے کیا سمجھے۔ ابھی ہمارے یہاں یورپین قوانین پاس نہیں ہوئے، تم میری محبوبہ بننے کی کوشش نہ کرو۔"

میں نے سابقہ لہجے میں کہا۔ وہ بے چارا غیر شادی شدہ تھا۔ بے طرح شرما گیا۔ مجھے اس کی شکل دیکھ کر بہت لطف آیا۔

"استغفراللہ۔۔ سر! آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟" اس نے باقاعدہ کانوں کو ہاتھ لگائے۔ میرا قہقہہ چھوٹ گیا۔

"جاؤ یار زبیری! تم نے تو لڑکیوں کو بھی مات کر دیا بلکہ آج کے زمانے میں تو لڑکیاں بھی ایسے نہیں شرماتیں۔"

میں نے اسے پھر چھیڑا تو وہ معصوم شخص مزید جھینپ گیا۔ مجھے اس کی شکل دیکھ دیکھ کر مزا آرہا تھا۔ اسی دوران زاہد جلتا بھنتا اندر آگیا۔ وہ بیس اکیس سال کا کمزور قامت کا جوان تھا۔ اس کا تعلق شیخوپورہ سے تھا اس لیے وہ کلینک کے بیرونی کمرے میں بستر وغیرہ لگا کر رات بسر کر لیا کرتا تھا۔ اس لڑکے میں بھی دوسروں کو اپنا اسیر کر لینے والے بڑے گر تھے۔ انتہائی بذلہ سنج اور شرارتی تھا۔ اس کے ہاتھ میں پانی کا فلاسک تھا جو غالباً ٹوٹ گیا تھا۔

"آپ سے ایک ذرا سا کام نہیں ہوتا زبیری صاحب!" اس نے فلاسک ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔ کلینک کے پچھلے دواسٹور نما کمروں کو وہ لاک کر چکا تھا۔ اب کسی مریض کے آنے کا چانس نہیں تھا اس لیے وہ کافی پُرسکون تھا۔

"میں ذرا ذرا سے کام کے قابل ہوتا تو اب تک شادی نہ کر چکا ہوتا۔"

زبیری نے اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے خود پر پھبتی کسی۔

"خدا کو مانیے زبیری صاحب! آپ نے بیوی کو ہی نہیں اللہ کو بھی منہ دکھانا ہے۔ شادی ذرا سا نہیں بہت ہرا ہرا سا کام ہے۔" زاہد نے ٹکڑا لگایا تھا۔

"ہاں تک ہی سب مرد خود کو گدھا سمجھ کر اس سبزے کے پیچھے دوڑ پڑتے ہیں۔"

میں نے بھی نخوت سے ناک چڑھا کر کہا۔ مجھے تو اس موضوع کے خلاف بولنے کا موقع چاہیے تھا۔ وہ دونوں ہنس پڑے۔

"معاف کیجئے گا سر! آپ خود کو گدھا کہہ رہے ہیں۔" زبیری نے جھجکتے ہوئے مذاق کیا۔

وہ مجھ سے بے تکلف ہونے کے باوجود مذاق میں بھی حد عبور کرتے ہوئے ڈر جایا کرتا تھا۔

"معافی تو آپ گدھے سے مانگیے جسے شادی شدہ کہہ دیا سر نے۔" زاہد نے پھر ٹانگ اڑائی۔ وہ کسی کی پروا

کرنے والوں میں سے نہیں تھا شاید اس کی عمر کا تقاضا تھا کہ وہ بے دھڑک ہو کر بولتا تھا۔ مجھے اس کی بات پر ہنسی آگئی۔ زبیری نے خفگی سے مجھے دیکھا۔ وہ زاہد کی نان اسٹاپ زبان سے عاجز تھا۔

"لفظ "شادی شدہ" کوئی گالی تو نہیں۔" زبیری چڑ کر بولا۔ اسے اکثر یہ شکوہ رہتا تھا کہ ہماری گفتگو کے دوران "شادی" کا موضوع صرف اسے چڑانے کے لیے چھیڑا جاتا ہے۔

"ارے ہاں، یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔ ویسے اگر لفظ "شادی شدہ" کوئی گالی ہوتی تو لوگ اس کا استعمال کیسے کرتے؟"

زاہد نے ایک نیا شوشہ چھوڑا۔ ہم دونوں ہی اس کی شکل دیکھنے لگے۔ مجھے تو مزا آرہا تھا جبکہ زبیری کا موڈ بتدریج آف ہونے لگا۔

"بس بھئی، ختم کرو یہ واہیات ٹاپک، ہم لنڈورے ہی بھلے۔"

زبیری نے اسے گھور کر کہا۔ وہ بھی ہنستے ہوئے خاموش ہو گیا۔ زبیری کی جھنجلائی ہوئی شکل ہمیشہ ہمیں مزہ دیتی تھی۔ اسی دوران میرے موبائل پر کال ہوئی جب کلینک پہ ٹائم زیادہ ہونے لگتا تو عفیرہ مجھے مسڈ کال کر کے گویا گھر واپسی کا حکم دے دیتی تھی۔ میں بھی چیزیں سمیٹ کر گھر جانے کی تیاری کرنے لگا۔

"یار زبیری! کل ساڑھے پانچ سے ساڑھے چھ تک کوئی اپائنٹمنٹ نہ رکھنا۔ مجھے ہشام کو لے کر نورالعزت صاحب کے پاس جانا ہے۔" میں نے نکلنے سے پہلے یاد دہانی کروائی تھی۔

"بابا! ام یہاں تیوں آئے ہیں؟"

ہشام نے پر تجسس طبیعت سے مجبور ہو کر پھر وہی سوال دہرایا جو وہ ڈرائیونگ کے دوران بھی پوچھتا رہا تھا۔ عفیرہ شاید اسے مطمئن نہیں کر پائی تھی۔

"بیٹا! ہمیں ایک انکل سے ملنا ہے۔" میں نے اسے جواب دیا مگر وہ اب بھی مطمئن نہیں ہوا تھا۔ میں کمرے کے انٹیریر کو سراہنے میں مشغول تھا۔ براؤن برک کلر کی دیواروں والا یہ گھر باہر سے جس قدر خوبصورت نظر آتا تھا اندر سے اس سے بھی زیادہ زبردست تھا۔

"بابا! وہ انتل آپ تے ایج فیلو ایں؟" ہشام نے ایک اور سوال کیا۔ میں نے اس کی جانب دیکھا۔ مسکراہٹ آپوں آپ میرے لبوں پر پھیل گئی۔ میرے ولی عہد نے دائیں ٹانگ کو بائیں ٹانگ پر چڑھا رکھا تھا اور دونوں بازو حلقے کی صورت ان کے گرد بندھے تھے اور دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پیوست تھیں۔ "وہ بالکل اسی پوزیشن میں بیٹھا تھا، جس پوزیشن میں، میں بیٹھا تھا۔ مجھے اپنے بیٹے پر بہت پیار آیا اسے زندگی کے ہر معاملے میں باپ کی نقل کرنے کی عادت تھی۔ میں نے بے اختیار ہو کر اسے اپنے قریب کیا اور اس کا گال چوم کر بولا۔

"جی جانو! وہ میرے ایج فیلو ہیں۔ آپ کے نانو نے ہمیں ان سے ملنے کے لیے بھیجا ہے۔"

"نانو بہت اچھے ہیں۔ آپ انتی سب مانتے ایں نا!" اسے شاید نانو کی اچھائی محسوس ہوئی۔ میں نے مسکراتے ہوئے گہری سانس بھری۔

"جی بیٹا! سارے شریف آدمی اپنے بچوں کے نانو کی بات مانتے ہیں۔" وہ میری بات کی گہرائی کو کیسے سمجھ سکتا اس لیے خاموشی سے انتظار کرنے لگا۔ میں بھی دوبارہ کمرے کی کلر اسکیم پر غور کرنے لگا۔ دیواروں پر ہلکے سبز رنگ کا پینٹ تھا اور بڑی سی دیوار گیر کھڑکی کو سبز اور سفید رنگ کے پردوں نے اپنے حصار میں لے رکھا تھا۔ کمروں میں موجود صوفوں اور دوسرے آرائشی سامان میں بھی یہی دو رنگ نمایاں تھے۔ مجھے ماحول میں

عجیب سی فرحت محسوس ہو رہی تھی۔

میں نے دل ہی دل میں ڈیڈی کے انتخاب کو سراہا کہ بہر حال یہ اسپیچ تھراپسٹ ان ہی کی دریافت تھا۔ میں ابھی مکین کے ذوق کو مکمل طرح سے سراہ بھی نہیں پایا تھا کہ عقبی دروازہ کھلا اور ایک لڑکی اندر داخل ہوئی۔

"بابا! یہ بھی انتل سے ملنے آئی ہیں؟" ہشام نے فوراً سوال اٹھایا۔ میں نے اسے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور اس لڑکی کے بجائے کمرے کے در و دیوار پر غور کرنے کی کوشش کرنے لگا مگر یہ ممکن نہیں تھا۔

لاشعوری طور پر میں اسی کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک شاپر تھا جو اس نے میز پر رکھ دیا وہ اسی دروازے سے داخل ہوئی تھی جس سے میں داخل ہوا تھا، اس لیے میں اسے دیکھتے ہی سمجھ گیا تھا کہ وہ بھی اسپیچ تھراپی وغیرہ کے سلسلے میں آئی ہو گی۔ پنک اور وائٹ کلر کے اسٹائلش سے لباس میں وہ پہلی ہی نظر میں کافی کیوٹ نظر آئی تھی۔ اس کے انداز میں عجیب سی عجلت تھی۔ وہ میرے اور ہشام کے سامنے آ کر بیٹھ گئی۔ اس کی نظریں استفہامیہ انداز میں میری جانب اٹھی تھیں، یہ ایک اسپیچ تھراپسٹ کا کلینک تھا اور یہ لڑکی گونگی بھی ہو سکتی تھی تب ہی میں نے فوراً سے پیشتر کہا۔

"مجھے نور العزت صاحب سے ملنا ہے۔ میرا اپائنٹمنٹ ہے ان کے ساتھ۔" میرے انداز میں قدرے بیزاری بھی در آئی تھی کہ بہر حال اب تک ان صاحب کو آ جانا چاہیے تھا کیونکہ یہ میرے بھی وقار کا مسئلہ تھا۔ میڈیسن کی فیلڈ سے تعلق رکھنے کے باعث ہمارا قبیلہ ایک ہی بنتا تھا۔ میری بات پر اس لڑکی کی آنکھوں میں تحیر کی خفیف سی جھلک دکھائی دی تھی۔ مجھے یقین ہونے لگا کہ وہ گونگی ہے۔

"نور صاحب شاید مصروف ہیں۔" میں نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔ اب کی بار وہ مسکرا دی۔ سفید موتیوں جیسے دانتوں کی جھلک نے اس کے چہرے کو یکدم عجیب سا نکھار بخشا تھا۔ میری بیوی مسکرانے کے معاملے میں

کنجوس تھی، اسی لیے مجھے ہر لڑکی کی مسکراہٹ اچھی لگتی تھی۔

"نور صاحب مصروف نہیں ہیں۔" اس لڑکی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ بلاشبہ مجھے اس کی اواز سن کر حیرت ہوئی تھی۔ میں اسے "گونگی" قرار دے چکا تھا۔ میں دل ہی دل میں نہایت جز بز ہوا۔

"یہ آپ کا بیٹا ہے؟" اس نے مجھے کسی قسم کی وضاحت دیے بغیر پوچھا۔ میں اس کے انداز پر تپ سا گیا۔

"نہیں راستے میں پڑا ہوا تھا میں اٹھا کر یہاں لے آیا۔" میں چڑ کر بولا۔ مجھے کیا پڑی تھی کہ ہر ایک سے اخلاق نبھاتا پھرتا مگر وہ اثر لینے کہ بجائے زور سے ہنس دی۔ ایک جلترنگ تھا جو میرے ارد گرد پھیل گیا۔ میں نے اپنی زندگی میں اس قدر بھرپور ہنسی کبھی نہ سنی تھی۔ اس کی ہنسی میں عجیب سی ملائمیت تھی جو بہت بھلی محسوس ہوئی تھی۔

"آئی ایم سوری۔۔ آپ عباس غوری ہیں نا۔ میں تاخیر کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ دراصل میری مدر کا کچھ روز قبل آنکھوں کا آپریشن ہوا تھا تو میں ان کی میڈیسن لینے چلی گئی تھی۔ مجھے احساس ہے میری غیر ذمہ داری نے آپ کو جھنجھلاہٹ میں مبتلا کیا ہے۔ مگر مجھے امید ہے کہ میری مجبوری جاننے کے بعد آپ کا غصہ کسی قدر کم ہو چکا ہو گا۔"

اس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ وضاحت دی۔ مجھے حیرت کا ایک اور جھٹکا لگا جسے میں نے کمال مہارت سے چھپالیا۔ میں جسے "صاحب" سمجھ کر ملنے آیا تھا وہ "صاحبہ" نکلی تھی۔

"اٹس اوکے۔" میں نے بہ دقت مسکراتے ہوئے کہا۔

بابا! یہ تون ایں۔" ہشام نے شرماتے ہوئے میرے کان میں گھس کر پوچھا۔ میں اسے گھر سے کسی انکل سے ملوانے کے لیے لایا تھا اور اب "آنٹی" کو دیکھ کر اسے بلاشبہ خوشی ہو رہی تھی۔ (مرد بچہ تھا آخر)

"یہ میرا بیٹا ہے ہشام غوری۔" میں نے اپنی خجالت دور کرنے کے لیے فوراً ہشام کا تعارف کروایا۔

"یہاں آؤ بیٹا!" اس نے مسکرا کر ہشام کو مخاطب کیا تو وہ اجازت طلب نظروں سے میری جانب دیکھنے لگا، پھر میرے کہنے پر وہ اس کی سمت چلا گیا۔ اس نے ہشام کی انگلی تھامی اور پھر ایک کارنر میں پڑی میز اور کرسیوں کی سمت چل دی۔ میز پر مختلف قسم کے کھلونے اور ماڈلز وغیرہ سجے تھے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے مقابل بیٹھ گئے اور پھر اگلے پچیس منٹوں میں وہ دھیمی آواز میں اس سے مختلف باتیں کرتی رہی کبھی اس کے سامنے کوئی کھلونا رکھ کر اس کے بارے میں سوالات کرنے لگتی یا پھر ماڈلز دکھا کر رائے طلب کرتی۔ میں چونکہ خود بھی ڈاکٹر تھا اس لیے مریض اور معالج کے رشتے کو بخوبی سمجھ سکتا تھا۔ میں نے بولنے یا ٹوکنے کے بجائے سائڈ ٹیبل پر پڑا میگزین اٹھالیا اور ورق گردانی کرنے لگا۔

پھر کچھ دیر کے بعد وہ اٹھ کر میرے پاس آگئی۔ جب کہ ہشام وہیں بیٹھا کھلونوں سے کھیلنے میں مگن تھا۔ میں نے میگزین سائڈ ٹیبل پر رکھا اور الرٹ ہو کر بیٹھ گیا کیونکہ مجھے گھر جا کر عفیرہ کو رپورٹ بھی دینی تھی۔ نور العزت مجھے اپنی جانب دیکھتا پا کر ایک بار پھر مسکرائی۔

"یا اللہ! یہ لڑکی کتنا مسکراتی ہے۔" میں نے دل میں کہا۔

"شہباز صاحب نے فون پر مجھے جو کچھ بتایا تھا اصل صورتحال اس کے بالکل برعکس ہے۔"

اس نے ڈیڈی کا نام لیتے ہوئے بات کا آغاز کیا۔

"وہ کہہ رہے تھے کہ بچہ بہت زیادہ ہکلاتا ہے اور انہیں شک ہے کہ اس کے تالو اور زبان میں کچھ نقص ہے جس کے باعث الفاظ کو ادا کرنے میں دقت ہوتی ہے۔"

اس نے ابھی اتنی بات کی تھی کہ اندرونی جانب کا دروازہ کھلا اور ایک سولہ سترہ سال کی ملازمہ ٹائپ لڑکی اندر داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں ٹرے تھی جس میں چائے کے کپ تھے۔ اس کے جانے کے بعد وہ دوبارہ

بولی۔

"معاف کیجیے گا عباس صاحب! آپ ایک عام سی بات کو مسئلہ بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ماشاءاللہ آپ کا بچہ بالکل نارمل ہے۔ اس کے تالو اور زبان میں کوئی نقص نہیں ہے۔ اس کی آواز بہت شارپ ہے۔ اس ایج میں تالو اور زبان کی نرمی بچوں کی مکمل طرح سے مدد نہیں کر رہی ہوتی جس کے باعث بہت سے بچے لفظوں کو ان کے صحیح تلفظ کے ساتھ ادا نہیں کر پاتے۔ لیکن یہ پرابلم وقت کے ساتھ ساتھ بالکل ٹھیک ہو جاتا ہے۔ مہینے میں بس چار سیشن کافی ہوں گے تھوڑی سی پریکٹس اور تھوڑی سی ٹریننگ سے یہ مسئلہ ختم ہو جائے گا۔ آپ کوشش کیجیے گا کہ بچے کو سختی سے نہ ڈانٹیں یا اس چیز کا حد سے زیادہ احساس مت دلائیں کہ وہ غلط بول رہا ہے اس سے وہ احساس کمتری کا شکار ہونے لگے گا۔"

وہ وہی باتیں کر رہی تھی جن کی مجھے توقع تھی۔ میں پہلے سے جانتا تھا کہ عفیرہ خوامخواہ ٹینشن لے رہی ہے۔ اس کی باتیں سننے کے ساتھ میں چائے کی چسکیاں بھی لے رہا تھا۔

"دراصل ہوتا یہ ہے کہ بعض اوقات بچے جب ایسے الفاظ ادا کرتے ہیں تو پیرنٹس خوش ہوتے ہیں اور ہر آئے گئے کے سامنے اس کے ادا کیے گئے الفاظ کو من وعن دہرانے کی کوشش کرتے ہیں اور ہنستے بھی ہیں۔ بچہ اس چیز کو مثبت خیال کر کے ایک منفی تاثر قبول کرنے لگتا ہے اور بار بار یہی پریکٹس کرنے لگتا ہے اور یوں ایک عام سی بات بہت بڑا مسئلہ لگنے لگتی ہے۔ ہو سکتا ہے آپ لوگوں نے یہی کیا ہو۔"

وہ اطمینان سے کہہ رہی تھی۔ اسے کیا پتا تھا کہ عفیرہ کس قدر ڈسپلنڈ ماں تھی وہ ایسی کوئی کوتاہی کر ہی نہیں سکتی تھی اور میں اس کی وجہ سے یہ کوتاہی کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

"بہر حال آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کا بیٹا تو ابھی بہت چھوٹا ہے۔ آپ اسے نیکسٹ سیٹرڈے لے آئیے گا۔ ایک ڈیڑھ گھنٹہ کے سیشن کے بعد صورتحال کا اچھی طرح سے اندازہ ہو جائے گا۔"

تھوڑی دیر بعد وہی ملازمہ اندر داخل ہوئی۔ اس کے چہرے پر فکر مندی کے اثرات غالب تھے۔

"باجی جی! وڈی بی بی دی اکھاں وچوں خون نکل داپیااے۔" (بڑی بی بی کی آنکھوں سے خون بہہ رہا ہے)

نورالعزت پریشانی کے عالم میں اٹھی اور میرے کچھ کہنے سے قبل ایکسکیوزمی کہتے ہوئے اندر کی جانب چل دی۔ ہشام نے بھی کھلونوں سے توجہ ہٹا کر اس افراتفری کی جانب دیکھا مجھے کھڑا دیکھ کر وہ یہی سمجھا کہ واپسی کا وقت ہو گیا ہے اس لیے اٹھ کر میرے پاس آ گیا۔

میں عجیب شش وپنج میں گھر گیا تھا۔ ایک مستند آئی سرجن ہونے کی وجہ سے یہ میرا فرض تھا کہ میں مریض کا چیک اپ کر لیتا مگر مینرز کہتے تھے کہ مجھے بلا اجازت رہائشی حصے کی جانب نہیں جانا چاہیے۔ بہت سوچ بچار کے بعد میں نے ہشام کو وہیں بیٹھنے کے لیے کہا اور اندر کی جانب چل دیا۔

"بابا ندھر جالے ایں۔" (بابا کدھر جا رہے ہیں) ہشام نے چونکنا ہو کر پوچھا۔

"جانو! آپ یہاں بیٹھو، میں ابھی آتا ہوں۔" میں نے عجلت میں جواب دیا۔

"آنتی کے روم میں جالے ایں؟" (آنٹی کے روم میں جا رہے ہیں) اس نے ایک اور سوال پوچھا۔

"لاحول ولا قوہ، آنٹی کے روم میں نہیں جارہا، ان کی مما بیمار ہیں ان کا چیک اپ کرنے جا رہا ہوں۔"

میں نے تحمل سے جواب دینے کی کوشش کی۔ وہ فوراً اٹھ کر میرے پاس آ گیا۔

"میں بھی آپ تے ساتھ چلوں گا۔ میں بھی چیت اپ ترلوں گا۔"

اس نے میرے قریب آ کر اجازت طلب کی۔

"بیٹا آپ خاموشی سے وہاں بیٹھو، میں ابھی آتا ہوں۔"

میں نے اس کے سوالات سے عاجز آ کر سختی سے کہا۔

وہ منہ بسورتا دوبارہ کاؤچ کی جانب چلا گیا۔ میں اندر جانے کے لیے خود کو تیار کر رہا تھا کہ وہ خود ہی اندر آ گئی۔

اس کا چہرہ پہلے کی نسبت اترا ہوا تھا بغور دیکھنے پر آنکھوں میں نمی بھی نظر آ رہی تھی۔

"آئی ایم سوری، دراصل۔۔" وہ پھر کوئی وضاحت دینے لگی تھی کہ میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"اٹس اوکے مس! آئی کین انڈراسٹینڈ۔۔ آپ چاہیں تو میں آپ کی مدر کا چیک اپ کر سکتا ہوں۔ یقین کیجیے میں ایک مستند آئی سرجن ہوں۔"

میں نے لہجے کو شگفتہ بنا کر کہا۔ وہ لڑکی جو لمحہ بھر پہلے مسکرا رہی تھی اب نم نم آنکھوں سے یکدم کیسی مرجھائی ہوئی لگنے لگی تھی۔

"جی پلیز، I'll be really very greatfull۔" وہ ہزار جان سے مشکور ہوتے ہوئے بولی۔

میں ہشام کو آنکھوں ہی آنکھوں میں وہیں بیٹھنے کا اشارہ کر کے اس کے ساتھ ساتھ چلتا اندر کی سمت چل دیا۔

اس کی والدہ لیٹی ہوئی تھیں۔ میں نے رپورٹس وغیرہ چیک کیں۔ میرا تجربہ کہتا تھا کہ سادہ لینس کی سرجری تھی مگر شوگر لیول آؤٹ آف کنٹرول ہونے کی وجہ سے زخم مندمل نہیں ہو پا رہا تھا تب ہی خون بہنے لگا۔

رپورٹس پر ان کے ریگولر فزیشین کا نام بھی لکھا تھا۔ ڈاکٹر جہانگیر رضوی میرے اچھے شناساؤں میں سے تھے۔

"پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ تسلی رکھیے۔ زخم ابھی مکمل طور پر مندمل نہیں ہو پایا ہے اس لیے شاید ان کا ہاتھ وغیرہ ٹکرانے سے بلیڈنگ ہونے لگی ہے۔"

میری بات پر وہ مطمئن نظر آنے لگی تھی۔ وہ بھی بالواسطہ میڈیسن کی فیلڈ سے تعلق رکھتی تھی اور کچھ نہ کچھ تو اپنی والدہ کی رپورٹس کو سمجھ سکتی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ کسی اور فارمیلیٹی میں پڑتی میں اجازت لینے کے لیے پر تولنے لگا۔

"میں ہشام کو سیٹرڈے کو بھجوا دوں گا۔" میں نے چارجز وغیرہ پے کرنے کے بعد کہا تھا۔

"تم میرے ساتھ نہیں چل رہیں؟" عفیرہ کو نائٹ سوٹ میں ملبوس دیکھ کر میں نے حیرانی سے پوچھا تو اس پر کوئی اثر نہیں ہوا وہ حسب توقع خاموشی سے آئینے کے سامنے کھڑی اپنے سیاہ سلکی بالوں میں برش چلاتی رہی۔

"تم میرے ساتھ نہیں چل رہیں عفیرہ؟" میں نے زچ ہو کر دوبارہ پوچھا۔

"نہیں۔" اس نے ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں سے ایک اچٹتی نظر مجھ پر ڈالی۔

"کیوں؟" میں نے سلگ کر پوچھا۔ عفیرہ کو میرے غصے کی پرواہ ہی کب تھی وہ جانتی تھی کہ میرا غصہ آتش نمرود کی طرح صرف پُر تپش دکھائی دیتا ہے مگر حقیقت میں ہے نہیں، لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے، شیر کی آواز کمزور ہونے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس سے دھاڑنے کا بنیادی حق چھین لیا جائے۔

"میرا موڈ نہیں ہو رہا۔ میں ریسٹ کرنا چاہتی ہوں۔" وہ اطمینان سے بولی۔ مجھے اس کے انداز نے حد درجہ سلگا دیا۔

ہفتہ بھر پہلے سے میں نے اسے بتا دیا تھا کہ ولید رحمان کی ڈنر پارٹی میں اسے میرے ساتھ چلنا ہے اور گزشتہ پورے دو ہفتے میں اسے یاد دہانی کرواتا رہا تھا کہ اتوار کو ہم ولید رحمٰن کے یہاں مدعو ہیں۔ اس نے مجھ سے وعدہ بھی کیا تھا کہ وہ ضرور چلے گی اور اب عین وقت پر اس کا موڈ نہیں تھا اور وہ آرام کرنا چاہ رہی تھی۔

"کیوں موڈ نہیں ہو رہا۔ اور ایک دم سے تمہارے موڈ کو کیا ہو گیا۔ صبح تک تمہارا پروگرام تھا کہ تم ضرور یہ

ڈنر اٹینڈ کرو گی۔"

میں اسے رسان سے سمجھا کر ہر صورت اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ اس نے مڑ کر میری جانب دیکھا پھر ناک چڑھا کر بولی۔

"کم آن عباس! ایسے تھرڈ کلاس سوالات مت کیا کرو مجھ سے۔۔ کیا، کیوں کیسے۔ کس لیے، کس طرح جیسے الفاظ سے الجھن ہوتی ہے مجھے۔"

میں کچھ دیر اسے الجھن بھری نظروں سے دیکھتا رہا۔ اسے میرے ادا کیے گئے الفاظ سے ہی نہیں میرے انداز سے بھی الجھن ہوتی تھی۔ وہ جانتی تھی میں اس کی جانب دیکھ رہا ہوں۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ میں اس کے اچانک فیصلہ بدل لینے سے کس قدر بے چین ہوں، مگر پھر بھی اس پر مطلق اثر نہیں ہوا تھا۔ میرے دل کے ننھے سے کسی گوشے میں یہ موہوم سی امید تھی کہ شاید میرے آنکھوں میں خفگی کے رنگ دیکھ کر وہ یک دم مسکرا دے گی

اور کہے گی۔

"آئی ایم سوری عباس۔۔! تم ناراض مت ہو۔ میں تو مذاق کر رہی تھی۔" مگر ایسا کچھ نہیں ہوا۔ وہ اطمینان سے آئینے کے سامنے پڑے اسٹول پر بیٹھ گئی اور چہرے پر نائٹ کریم کا مساج کرنے لگی۔

"تمہیں نہیں جانا تھا تو کم از کم مجھے صبح ہی بتا دیتیں۔ نازیہ بھابھی اپنی امی کے چیک اپ کے لیے کلینک آئی تھیں۔ مجھ سے تمہارے متعلق پوچھ رہی تھیں۔ میں نے کہہ دیا کہ آج ڈنر پارٹی میں آپ خود ہی عفیرہ سے مل لیجیے گا۔ میں آل ریڈی انہیں کہہ چکا ہوں عفیرہ! اب تم نہیں جاؤ گی تو کس قدر برا لگے گا۔"

میں نے پھر کوشش کی لیکن وہ خاموشی سے مساج کرتی رہی۔ میں کچھ دیر اس کے بولنے کا انتظار کرتا رہا پھر دوبارہ گویا ہوا۔

"تم نہیں جاؤ گی تو وہاں سب کیا سوچیں گے۔ ولید بھائی چھ ماہ پہلے سے ہم سب کولیگز کو سنا رہے ہیں کہ ان کی ویڈنگ اینی ورسری کی سلور جوبلی بہت دھوم دھام سے منائی جانی چاہیے۔ نازیہ بھابھی آ رہی ہیں، اطہر بھی اپنی نئی نویلی دلہن کو لائے گا، تقریباً سب لوگ اپنی اپنی بیویوں کے ساتھ شرکت کر رہے ہیں۔ ولید بھائی نے ہمیشہ مجھے چھوٹے بھائی کی طرح ٹریٹ کیا ہے اب اگر میں اکیلا جاؤں گا تو اچھا نہیں لگے گا۔"

میں نے نہایت وضاحت سے اپنی مجبوری بیان کر دی تھی۔ میں حقیقتاً دل سے چاہتا تھا کہ عفیرہ میرے ساتھ چلے۔ کیونکہ سب یار دوست اپنی فیملیز کے ساتھ آ رہے تھے۔ میں بغیر ہانڈی کا چمچہ بن کر نہیں جانا چاہتا تھا۔ ہماری فیلڈ میں اس طرح مل بیٹھنے والے مواقع ویسے ہی کم آتے تھے۔

"تمہیں مجھ سے پوچھے بغیر یہ پروگرام فائنل نہیں کرنا چاہیے تھا عباس!" اس نے مساج سے فارغ ہو کر میری طرف رخ کیا اور پھر لاتعلق سے انداز میں بولی۔

میں ہونٹ بھینچے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"اور اگر تم کر ہی چکے ہو تو پھر خمیازہ بھی تمہیں بھگتنا چاہیے۔ سب لوگ میرے بارے میں اچھا ہی سوچتے ہیں، کم از کم تمہیں اس معاملے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ جہاں تک بات نازیہ بھابھی کی بات ہے تو وہ اپنے سب پروگرام اپنی وجہ سے ہی ترتیب دیا کرتی ہیں۔ انہیں بچپن سے عادت ہے اس قسم کے بورنگ فنکشنز اٹینڈ کرنے کی۔ مجھے کوئی شوق نہیں اپنی نیند خراب کرنے کا۔" وہ کس قدر تلخی سے کہہ رہی تھی اسے حساس ہی نہیں تھا۔ اس کا انداز مجھے خاموش ہو جانے پر مجبور کر گیا اور شاید میری خاموشی نے ہی اسے کچھ باور کروایا تھا۔

"عباس! پلیز تم میری وجہ سے اپنا موڈ آف مت کرو۔ تم جانتے ہو مجھے ان سیمینار ٹائپ ڈنر میں کس قدر بوریت ہوتی ہے۔ بیماریاں، بیماریاں اور بہت سی بیماریاں یہی سب تو ڈسکس ہوتا ہے تم سب لوگوں کے بیچ،

ایسی صورتحال میں میرے جیسا انسان تو خود کو آؤٹ سائڈر ہی سمجھتا رہتا ہے، آئی ایم سوری عباس!"

میں چند لمحے اس کے تروتازہ چہرے کی جانب دیکھتا رہا پھر گہری سانس بھر کر میں نے ہتھیار ڈال دیے تھے۔

"اوکے۔۔ایز یو وش۔" میں نے کہا اور ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گیا۔

"تمہارے جیسا انسان خود کو ہر جگہ آؤٹ سائڈر سمجھتا ہے عفیرہ! کیونکہ تم اپنی شخصیت کے زعم میں اس قدر مبتلا ہو چکی ہو کہ تمہیں باقی انسان ایلینز دکھائی دیتے ہیں۔ تمہیں اپنے شوہر کا بھی کوئی احساس نہیں ورنہ تم یہ بھی کہہ سکتی تھی کہ "اوکے عباس! تمہاری خاطر صرف تمہاری خاطر، میں چلی چلتی ہوں۔ تم میرے ساتھ ہو گے تو مجھے کچھ بھی بورنگ نہیں لگے گا۔"

ڈریسنگ روم میں کپڑے تبدیل کرتے ہوئے میں اندر ہی اندر کھولتا رہا تھا۔ بارہ سال پر مشتمل یہ ازدواجی زندگی کبھی کبھی مجھے ایک عجیب ساجگسا پزل لگنے لگتی تھی۔ اس پزل کے کچھ ٹکڑے غلط جگہ پر چپکا دیے گئے تھے۔ کس میں سکت تھی کہ ان غلط ٹکڑوں کو صحیح جگہ لگا دیتا بجز قدرت کے۔

"تم بھی کبھی کبھی حد کرتے ہو عباس غوری! یہ تمہاری بڑھتی عمر کا تقاضا ہے کہ تم اس قدر ناامید ہو کر سوچتے ہو۔ کیا کمی ہے تمہاری زندگی میں؟"

میری الٹی سیدھی ناامید سوچوں سے چڑ کر کوئی میرے اندر چلا کر بولا۔ میں میچنگ ٹائی کی تلاش چھوڑ کر وہیں ایک اسٹول پر بیٹھ گیا۔

ہماری خوشیوں کی سب سے بڑی دشمن دراصل یہی "اندر" کی اکھاڑ پچھاڑ ہوتی ہے۔

جسے ہم "کوئی" کہہ کر خود کو بہلانے کی کوشش کرتے ہیں دراصل یہ "کوئی" ہمارے اندر کنڈلی مار کر بیٹھا ہوا خوف ہوتا ہے۔ اردگرد کے انسانوں کا خوف، اپنے سے برتر انسانوں کا خوف، اپنے سے کمتر انسانوں کا خوف، ناکامی کے بوجھ سے خائف ایک لرزتے دل کا خوف، آنکھوں کی اوٹ سے جھانکتے تاسف کا خوف،

طعنوں کا خوف، ہمدردی کی آڑ میں رگ جاں کو آری کی طرح کاٹتے فقروں کا خوف، واہ واہ سمیٹ کر ایک اونچی مسند پر پہنچ نہ پانے کا خوف اور کبھی کبھی اس مسند پر پہنچ کر عزت و ستائش کے مہین لبادے میں لپٹی اسی "واہ واہ" کے گر کر چکنا چور ہو جانے کا خوف، پابندیوں سے جکڑے اس معاشرے کا خوف۔۔جی ہاں، اس معاشرے کا خوف۔ کوئی ایسا نہ کہہ دے، کوئی ویسا نہ کہہ دے، کوئی دیکھ نہ لے، کسی کو پتا چل گیا تو؟ میرے دل کو بھی ایسے ہی خوف لاحق رہا کرتے تھے تب ہی میرا "اندر" میری بڑبڑاہٹ کو دبا کر مجھے "سب اچھا ہے" کی گردان کرنے پر مجبور کر دیتا تھا۔

"کیا کمی ہے میری زندگی میں؟ کچھ بھی تو نہیں۔ ایک خوبصورت من چاہا لائف پارٹنر، اولاد کی نعمت، باوقار منافع بخش پروفیشن، چہ خوب میں پھر بھی ناخوش ہوں۔"

میں نے گہری سانس بھر کر مرہم کا ایک پھاہا اپنے بوجھل دل پر رکھا بالکل ایسے جیسے دمہ کے مریض ان ہیلر کی مدد سے خود زندگی کو اپنے اندر قطرہ قطرہ منتقل کرتے ہیں اسی طرح میں بھی سکون اپنے اندر اتارنے کی کوشش کرنے لگا۔ میں اتنا بہادر نہیں کہ گھر میں ہونے والی ساری باتیں کسی غیر کو بتا کر اپنا تماشا بنواتا۔ مجھے دوسروں کو "سب اچھا ہے" کی ہی تصویر دکھانی تھی۔

میں نے چند لمحے اپنی ذات کے ساتھ گزار لیے تھے یہی کافی تھا۔ اب میں پھر سے اپنی جون میں واپس آ سکتا تھا۔

"عفیرہ ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے، وہ وہاں جا کر کیا کرے گی بھلا۔ اتنی نازک سی بیوی ہے میری، وہاں جا کر بیماریوں کے متعلق باتیں سن سن کر خوامخواہ خود کو ٹینس کر لے گی اور پھر بیمار ہو جائے گی۔ میں جو ہوں یہ سب جھیلنے کے لیے، میرا تو فیلڈ ہے یہ، مجھے تو یہ سب سہنا ہی چاہیے میں نے اس کا موڈ بھی آف کر دیا۔ بھلا اس بے چاری نے ایسا کیا کہہ دیا تھا۔ وہ بھی انسان ہے اسے پورا حق ہے کہ جہاں جانے کو اس کا دل نہ چاہے

وہاں جانے سے صاف انکار کر سکے۔"

میں تیار ہوتے ہوئے خود کو سمجھانے کی کوشش کرتا رہا۔

"عفیرہ نہیں آئی؟" نازیہ بھابھی نے علیک سلیک کے بعد چھوٹتے ہی پوچھا حالانکہ وہ دیکھ چکی تھیں کہ میں اکیلا ہی اندر آیا ہوں مگر پھر بھی انہوں نے پوچھنا اپنا فرض سمجھا۔

"نہیں۔" میں نے بظاہر مسکراتے ہوئے جواب دیا اور فوراً ہی اپنی توجہ برقی قمقموں کی طرف کر لی، تاکہ وہ مزید کوئی سوال نہ پوچھ سکیں مگر وہ بھی میری بھابھی تھیں۔ انہیں تمام تر تفصیل جانے بغیر چین کیسے آ سکتا تھا۔ ولید بھائی نے لان میں زبردست اریجمنٹ کروا رکھی تھی۔ رنگ و بو کا عجب سیلاب اترا ہوا تھا۔ لان سے آتی گلاب اور موتیے کی مہک سارے ماحول کو مزید فسوں خیز اور خمار آلود بنا رہی تھی۔ پر سکون طمانیت بھرے چہرے، میرے جیسے رومینٹک مائنڈ بندے کو ایک جگہ توجہ مرکوز نہیں کرنے دے رہے تھے، مگر نازیہ بھابھی مجال ہے جو انہوں نے میری عدم توجہی اور سنجیدگی کو اہمیت دی ہو۔ مجھے ایسے گھور رہی تھیں جیسے آنکھوں کے ذریعے دل کا حال جانچ لینا چاہتی ہوں۔

"عفیرہ کیوں نہیں آئی؟" انہوں نے نہایت سرسری لہجے میں پوچھا مگر ان کے لہجے کے پیچھے ایک عجیب سی مکاری واضح ہو رہی تھی۔

"اسے کوئی شوق نہیں ہے اپنی نیند خراب کرنے کا۔" میں تڑخ کر بولا۔ کوئی بھی شریف آدمی ان کے اس طرح کے انداز سے جل کر خاک ہو سکتا تھا میں تو پھر ان کا دیور تھا۔ وہ کچھ دیر مجھے اسی طرح گھورتی رہیں جیسے

پولیس حدود کے ملزم کو گھورتی ہے پھر انہوں نے ایک منٹ کا طویل اور بے ہنگم قہقہہ لگایا اور بولیں۔

"تمہاری مذاق والی عادت نہیں بدلی۔"

"ہاہاہا۔۔۔ درست کہہ رہی ہیں آپ۔" میں نے بہت مشکل سے مصنوعی قہقہہ لگایا اور پھر فوراً آگے بڑھ گیا۔

بہت سے شناسا چہرے نظر آ رہے تھے، میں بڑھ کر سب سے علیک سلیک کرنے لگا۔ مجھے عورتوں کی ان ہی کھوجتی نظروں سے ڈر لگتا تھا اور کبھی کبھی عورتوں پر ترس بھی آنے لگتا تھا

کہ بے چاریوں کو ایک دوسرے کے کتنے ہی الٹے سیدھے سوالات کے جوابات دینے پڑتے تھے۔ میں نے آج تک کسی مرد کو ایسے سوالات پوچھتے نہیں دیکھا تھا۔

"صبح کتنے بجے اٹھے تھے؟"

"دوپہر کو کیا کھایا تھا؟"

"یہ جو جوتے تم نے پہنے ہیں ان پر جو سیاہ پالش ہے یہ تم نے کہاں سے خریدی تھی؟"

"میری رنگت ماند پڑتی جا رہی ہے اس کو فریش کرنے کے لیے کیا کروں؟"

جبکہ عورتیں بکثرت ایسے سوالات پوچھتی نظر آتی تھیں۔ میں ولید بھائی اور بھابھی کی طرف آ گیا۔ انہیں ان کا گفٹ تھما کر دو چار ادھر ادھر کی باتیں کیں۔ مجھے ان دونوں کا کپل شروع سے بہت پسند تھا۔ پچاس کے پیٹے میں داخل ہوتے ہوئے وہ دونوں میاں بیوی انتہائی گریس فل لگ رہے تھے۔ انہوں نے بھی عفیرہ کے متعلق پوچھا۔ میرے گڑھے ہوئے بہانے پر صبیحہ بھابھی کافی دیر تک سر ہلاتی رہیں، پھر شفقت سے میرا شانہ تھپتھپا کر بولیں۔

"بیوی کا دھیان رکھا کرو عباس، اب تم بچے نہیں رہے ماشاءاللہ دو بچوں کے باپ بن چکے ہو۔ اپنی ذمہ داریاں پہچاننے کی کوشش کرو۔"

"جی بھابی!" میں مسکرا کر اتنا ہی کہہ سکا۔ نجانے سارا زمانہ مجھے ہی غیر ذمہ دار کیوں سمجھتا تھا۔

"ارے آپ نے یہ کیسی باتیں شروع کر دیں۔ ابھی تو ہمارا عباس خود بچہ ہے۔ کیوں بھئی، جلدی بتاؤ کتنی عمر ہے تمہاری پھر تمہاری بھابی بھی اپنی عمر بتائیں گی۔ اس بہانے ہمیں ان کی اصل عمر پتا چل جائے گی۔"

ولید بھائی اپنی مخصوص بذلہ سنجی کا مظاہرہ کرنے لگے۔

"میں اپنی عمر کبھی نہیں چھپاتی۔ بیس سال کی ہوں دوڈھائی مرتبہ۔"

بھابی کے جواب پر میں نے اور ولید بھائی نے زوردار قہقہہ لگایا۔

"ہاں وہ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ مرد اور عورت بیس سال تک تو ہم عمر رہتے ہیں پھر مرد اکیس سال کا ہو جاتا ہے مگر عورت اگلے پانچ سال تک بیس سال کی ہی رہتی ہے۔"

ولید بھائی نے ایک اور چٹکلا چھوڑا۔ میرا موڈ انتہائی خوشگوار ہو گیا تھا۔ بھابی مسکراتے ہوئے چند اور مہمان نپٹانے کے لیے آگے بڑھ گئیں۔ ولید بھائی نے اشارے سے کسی کو قریب بلایا تھا۔ نیوی بلیو اور سلور گرے کمبی نیشن کے شیفون میں ملوس ایک لڑکی ہمارے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ مجھے انہیں دیکھ کر خوشگوار حیرت ہوئی۔ وہ نورالعزت تھی۔ یہ میری اس سے دوسری ملاقات تھی۔

"ان سے ملو یہ ہیں ہماری چھوٹی سی، کیوٹ سی سسٹر ان لاء نورالعزت۔" انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بہت پیار سے تعارف کروایا۔ وہ اس تعریف پر کچھ جھینپ سی گئی اور اس کی یہ جھینپتی ہوئی مسکراہٹ مجھے بہت بھلی لگی۔

"یہ عباس غوری ہیں۔" انہوں نے میری جانب اشارہ کر کے گویا میں "قائداعظم" تھا کہ صرف نام بتانے سے سب کارنامے پتا چل جاتے۔

"جی ماموں! ان سے ملاقات ہو چکی ہے میری۔" اس نے خود ہی کہہ کر گویا ولید بھائی کی مشکل آسان کی

تھی۔

"اچھا۔ بہت اچھی بات ہے۔ یار عباس! تم ذرا گپ شپ لگاؤ میں یزدانی صاحب کو کمپنی دیتا ہوں۔ ورنہ بعد میں گلہ کرتے رہیں گے کہ جوانوں میں کھڑا ہو کر خود کو جوان ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

وہ مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ میں نورالعزت کی جانب متوجہ ہوا مجھے ابھی تک سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ اس لڑکی کو کس نام سے پکاروں۔ مس نور کہوں یا مس عزت اور پھر مجھے تو یہ بھی پتا نہیں تھا کہ وہ مس ہے یا مسز۔ دیکھنے میں وہ بہت چھوٹی سی لگتی تھی مگر اس کے نام کے ساتھ دو عدد پاکستانی اور ایک عدد غیر ملکی یونیورسٹی کی جو ڈگریاں لگی تھیں وہ ثابت کرتی تھیں کہ یقیناً مس نورالعزت عمر چور واقع ہوئی ہیں۔ رائل بلیو اور گرے کمبی نیشن کے ساتھ اس نے جیولری اور میک اپ کا بہت مناسب سا استعمال کیا ہوا تھا۔ اس کے سیاہ بال اور شیفون کا دوپٹہ ہوا کی چھیڑ چھاڑ کی زد میں تھے۔

"آپ کی والدہ اب کیسی ہیں؟" میں نے خاموشی کو توڑنے میں پہل کی۔

"ٹھیک ہیں۔ دراصل میں آپ سے فون پر بھی اس سلسلے میں بات کرنا چاہ رہی تھی۔"

وہ تو شاید انتظار میں تھی کہ میں پوچھوں اور وہ بتانا شروع کر دے۔

"مجھے رضوی صاحب سے کوئی شکایت نہیں۔ وہ یقیناً ایک بہترین سرجن ہوں گے مگر میری مدر کو ان کے ہاتھ سے شفا نصیب نہیں ہوئی۔ میں نے ولید ماموں سے ذکر کیا تھا تو انہوں نے آپ کی کافی تعریف کی۔ میں چاہ رہی تھی کہ آپ ان کا تفصیلی چیک اپ کر لیں ورنہ پھر میں انہیں کراچی کے کسی سرجن کو دکھالوں۔"

اس نے جھجکتے ہوئے اپنا مدعا بیان کیا۔ ولید بھائی نے میری تعریف کی تھی۔ دل ہی دل میں مجھے کافی خوشی ہوئی مگر کسر نفسی میرا اشعار تھا۔

رضوی صاحب بہت مانے ہوئے سرجن ہیں ان کے مقابلے میں، میں تو کچھ بھی نہیں۔ ولید بھائی کی مہربانی

ہے کہ انہوں نے میری تعریف کی۔ آپ لے آیئے گا اپنی والدہ کو۔۔"میں نے لمحہ بھر کا توقف کیا۔

"یا پھر ایسا کرتے ہیں جب میں ہشام کو تھرڈ سیشن کے لیے لاؤں گا تو پھر آپ کے گھر پر چیک اپ کر لوں گا، اس کے بعد پتا چل جائے گا کہ مزید کس قسم کا ٹریٹمنٹ درکار ہے۔"

میں نے خود ہی تجویز پیش کی تو وہ فوراً ہی مان گئی۔ اس کے بعد وہ ہشام کے متعلق پوچھنے لگی۔ میں نے اس کے طریقہ کار کی تعریف کی کیونکہ عفیرہ اب ہشام کی طرف سے مطمئن ہوتی جا رہی تھی۔

"ایک ذاتی سی بات پوچھوں؟"میں نے بالآخر اپنے تجسس کو زبان دے ہی دی۔

یہ تو مجھے پتا چل گیا تھا کہ ولید بھائی نے اسے مجھ سے اسی لیے متعارف کروایا تھا مگر جہانگیر رضوی سے ان کے بہت گہرے دوستانہ مراسم تھے اور وہ دوستی، رشتہ داری اور پروفیشن کو ہمیشہ علیحدہ علیحدہ رکھنے کے عادی تھے، اسی لیے انہوں نے خود مجھ سے ڈائریکٹ بات کرنے کے بجائے نورالعزت کو مجھ سے متعارف کروا دیا تھا تاکہ وہ خود ہی مجھ سے بات کر لے کہ بہر حال جہانگیر رضوی جیسے نامی گرامی سرجن کو وہ ناراض نہیں کر سکتے تھے۔ مجھے تو دل ہی دل میں گدگدی ہو رہی تھی زندگی میں پہلی بار مجھے خود پر فخر کرنے کا موقع ملا تھا۔ Well کہاں سرجن جہانگیر اور کہاں میں عباس غوری جس کا عام سا آئی کلینک سرجن جہانگیر شاندار ہاسپٹل کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھا۔equipped

"آپ صبیحہ بھابھی کی بہن ہیں؟"اس کے اثبات میں جواب دینے پر میں نے پوچھا کہ بہر حال ولید بھائی اور نورالعزت کے درمیان حقیقی رشتہ سمجھ نہیں پایا تھا۔

"آپ شاید لفظ "ماموں" پہ حیران ہو رہے ہیں۔ دراصل صبیحہ آپی میری فرسٹ کزن ہیں جبکہ ولید ماموں میری امی کے کزن ہیں اس لیے وہ مجھ ہمیشہ صبیحہ آپی کے رشتے سے سسٹر ان لاء کہتے ہیں جبکہ میں انہیں امی کے رشتے سے ماموں کہتی ہوں۔"

وہ مسکراتے ہوئے وضاحت کر رہی تھی۔

"ولید کہتے ہیں اس عمر میں جب دل لڑکیوں کے منہ سے صرف "جانو" سننا چاہتا ہے اور لڑکیاں "ماموں" سے کم پر تیار نہیں ہوتیں تو دل بہت دُکھتا ہے۔"

صبیحہ بھابھی جو عقب میں آ کھڑی ہوئی تھیں ایک دم سے بولیں۔ میں نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ بھابھی بھی ہنس رہی تھیں جبکہ نورالعزت جھینپ سی گئی۔ اس کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ در آئی تھی جسے بائیں ہاتھ سے چھپانے کی وہ مسلسل کوشش کر رہی تھی۔ ہونٹوں پہ ہاتھ کو رکھے سفید موتیوں جیسے دانتوں کو چھپانے کی ناکام کوشش کرتی ہوئی نورالعزت اس لمحہ مجھے بہت معصوم لگی۔ میں ہنستے ہوئے اطہر اور رائمہ بھابھی کی طرف آ گیا، مگر سردیوں کی صبح میں حدت پہنچانے والی میٹھی میٹھی دھوپ جیسی اس کی مسکراہٹ میرے ذہن سے محو نہیں ہو سکی۔

میں اطہر کے پاس آ کر بیٹھ تو گیا مگر چند لمحے کے بعد ہی مجھے عجیب سی بے چینی نے گھیر لیا۔ اتنی بڑی گیدرنگ میں اطہر کی توجہ کا مرکز صرف اور صرف اس کی بیوی تھی اس کی نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ ہر پندرہ منٹ بعد رائمہ بھابھی جھک کر اطہر کے کان میں کچھ کہنے لگتیں، جواباً اطہر بھی کان میں سرگوشی کرتا اس کے بعد وہ دونوں ہی ہنس دیتے جبکہ میں ہر پندرہ منٹ کے بعد پہلو بدلنے پر مجبور ہو جاتا۔ مجھے اپنی موجودگی وہاں نہایت ہی غیر ضروری محسوس ہونے لگی تھی۔

اطہر میرا بہت اچھا دوست تھا مگر شادی کے بعد وہ جس قدر چغد لگنے لگا تھا شادی سے پہلے اس قدر نہیں لگتا تھا۔ ابھی چند منٹ پہلے میرا موڈ بہت خوشگوار ہو گیا تھا مگر اب پھر سے عفیرہ پر غصہ آنے لگا۔ وہ میرے ساتھ ہوتی تو میں اس قسم کی احمقانہ صورتحال سے بچ سکتا تھا

شاید ہر وہ شخص جس کی شادی کو بارہ پندرہ سال گزر چکے ہوں نئے شادی شدہ جوڑوں کو دیکھ کر اسی قسم کے جذبات کا شکار ہو جایا کرتا ہے جس طرح کے جذبات کا شکار میں اطہر اور اس کی دلہن کو دیکھ کر ہو رہا تھا۔ میں اکتا کر "ایکسکیوز می" کہتے ہوئے اس جگہ سے اٹھ گیا۔

چند لمحے ادھر ادھر گپ شپ لگانے کے لیے کسی کو تلاشتا رہا، چند بھابھی نما خواتین کی تفتیش کا نشانہ بنا۔ عفیرہ کی غیر موجودگی کے متعلق مناسب ترین بہانے گھڑے مگر ان سب کے باوجود میں جانتا تھا کہ لاشعوری طور پر ہی سہی مگر میں ایک انتہائی چھچھوری حرکت کا مرتکب ہو رہا ہوں۔ میرا دھیان خوامخواہ بھٹک کر اس سمت چلا جاتا جہاں نور العزت کھڑی تھی۔ مجھے احساس تھا کہ میں ایک نچلے درجے کی حرکت میں مشغول ہوں مگر پھر بھی نجانے کیوں اسے بار بار دیکھنا اچھا لگ رہا تھا۔ میں خود کو گھرک رہا تھا مگر پھر بھی اس حرکت سے خود کو روک نہیں پا رہا تھا۔ اسی اثناء میں کھانے کا غلغلہ اٹھا۔ میں بھی کھانے کی ٹیبلز کی طرف آ گیا تاکہ کھانا کھاتے ہی رفو چکر ہو سکوں۔

"عفیرہ! آج کم از کم تمہیں میرے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔" مجھے رہ رہ کر یہی خیال آ رہا تھا۔

آج سے تقریباً بارہ سال پہلے عفیرہ شہباز سے شادی میرا انتہائی ذاتی فیصلہ تھا۔ میرے والدین، عفیرہ کے والدین اور حتیٰ کہ خود عفیرہ بھی اس شادی کے لیے رضامند نہیں تھی۔ میرے والدین کو میری بائیس سالہ الہڑ جوانی پر اعتراض تھا، عفیرہ کے والدین کو میری نامکمل تعلیم پر (ان دنوں میں میڈیکل کے فائنل پراف میں تھا) جبکہ عفیرہ مجھے ایک امیچور اور جذباتی قسم کا لڑکا سمجھتی تھی۔

میں نے عفیرہ کو پہلی مرتبہ لاہور پی ٹی وی اسٹیشن پر ایک پروگرام کی ریکارڈنگ کے دوران دیکھا تھا۔ ان دنوں پی ٹی وی سے ایک پروگرام آتا تھا جس میں میزبان مختلف تعلیمی اداروں میں جا کر طلباء و طالبات کے مختلف موضوعات پر ویوز اکھٹے کرتا تھا۔ یہ ایک انتہائی دلچسپ پروگرام ہوا کرتا تھا جس میں اکثر طلباء و طالبات کے درمیان بحث ایک دلچسپ مباحثے کی شکل اختیار کر لیتی تھی۔ ان ہی مباحثوں میں کچھ لوگوں کو چن لیا جاتا تھا تاکہ وہ ٹی وی پر طلباء کے لیے مخصوص مزید پروگرامز میں حصہ لے سکیں۔

علامہ اقبال میڈیکل کالج میں بھی ایک بار ٹی وی کی ٹیم کا آنا ہوا۔ ان دنوں میرا فورتھ پراف چل رہا تھا۔ مجھے تقریر کرنے کا، بڑھ چڑھ کر بولنے کا ویسے بھی زیادہ شوق تھا۔ میری کسی بات سے متاثر ہو کر مجھے پی ٹی وی لاہور کے ایسے ہی ایک پروگرام میں شرکت کی دعوت دی گئی۔ اسی پروگرام کی ریکارڈنگ میں پہلی مرتبہ میں نے عفیرہ شہباز کو دیکھا۔ انتہائی دلکش شخصیت کی مالک عفیرہ شہباز، پنجاب یونیورسٹی کے اکنامکس ڈپارٹمنٹ میں فائنل ایئر کی اسٹوڈنٹ تھی۔ اس پروگرام کا فارمیٹ بہت دلچسپ ہوا کرتا تھا۔ تمام طلباء و طالبات کو دو گروپس میں تقسیم کر کے انہیں ایک مخصوص موضوع پر دلائل دینے کے لیے آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا اسی وجہ سے اس پروگرام کا اختتام عام طور پر دنگل نما بحث پر ہوا کرتا تھا۔

ہمیں جس موضوع پر بولنے کی دعوت دی گئی وہ Male dominated society (مردوں کا معاشرہ) تھا۔ عفیرہ اور میں ایک ہی گروپ میں تھے۔ ہم لوگ یہ ثابت کر رہے تھے ہمارا معاشرہ Male dominated نہیں ہے۔ عفیرہ بلا کی خطیب تھی اس کے دلائل انتہائی جاندار تھے اور سب سے بڑھ کر وہ اپنی شخصیت کے سحر سے واقف تھی۔ "میں تسخیر کرنا جانتی ہوں" گویا اس کی پیشانی پر لکھا تھا۔ سیاہ ڈریس میں ملبوس، اونچی پونی کو جھلاتے ہوئے اور ببل گم چباتے ہوئے جب وہ بات کرتی تھی تو سب لوگ مسحور ہو کر اس کی بات سننے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ وہ مجھے پہلی ملاقات میں ہی اچھی لگی تھی۔ اور ظاہر ہے اپنے

امپریشن کی خاطر میں بھی بڑھ چڑھ کر بول رہا تھا۔

"اللہ نے عورت کو حق دیا ہے کہ وہ اگر شوہر کے ساتھ ایڈجسٹ نہ کر سکے تو خلع لے سکتی ہے مگر نکاح نامے میں یہ شق سرے سے ہی کٹوا ہی دی جاتی ہے۔"

مخالف گروپ سے ایک لڑکی بولی۔

"اللہ نے تو مرد کو بھی چار شادیوں کا حق دیا ہے مگر نکاح نامے میں یہ شق سرے سے موجود ہی نہیں ہے، بلکہ مرد کو عورت کی اجازت کا پابند کر دیا گیا ہے۔ حد ہے بھئی ناانصافی کی۔"

ہماری جانب سے یہ ڈائیلاگ میں نے بولا تھا جس پر نا صرف ہماری سائڈ سے داد و تحسین کے ڈونگرے برسنے لگے، بلکہ ہال میں بیٹھے تماشائیوں نے بھی دل کھول کر داد دی۔ ڈیکارڈنگ کے بعد عفیرہ شہباز نے بطور خاص میری تعریف کی اور اس تعریف کا سارا کریڈٹ اسی دلیل کو جاتا تھا کیونکہ عفیرہ کو یہی دلیل پسند آئی تھی۔

اس کے بعد میں دو تین مرتبہ پنجاب یونیورسٹی کے اکنامکس ڈپارٹمنٹ میں صرف اسی سے ملنے گیا۔ مجھ سے وہ تپاک سے ملتی مگر ایسے ہی جیسے ایک شناسا کسی دوسرے شناسا سے ملتا ہے۔ اس کے انداز میں کوئی خاص گرمجوشی نہیں ہوتی تھی۔

ہمارے کالج میں میوزک کنسرٹ ہوا تو میں اس کے پاس، خاص طور سے عفیرہ اور اس کی فرینڈز کے لیے لے کر گیا۔ اپنے کالج میں آمد پر میں نے اس کی اچھی خاصی تواضع کی۔ میں اس کے ڈپارٹمنٹ جاتا تو وہ بھی مجھے کمپنی دینے کی کوشش کرتی تھی۔ میں فائنل پراف میں پہنچا تو اس کے یونیورسٹی سے فارغ ہونے کے دن آ گئے۔ اسے پروپوز کرنے کا یہی آخری موقع تھا۔ اس کے بعد شاید ہماری ملاقات ہی نہ ہوتی۔

"میں بہت پریکٹیکل لڑکی ہوں عباس! مجھے شادی وادی میں کوئی انٹرسٹ نہیں، کم از کم اس اسٹیج پر تو بالکل آفس جوائن کرنا چاہتی ہوں۔ تم اسے Carrier Oriented نہیں۔ میں یہ نہیں کہتی کہ میں کوئی

جسٹ فار فن بھی کہہ سکتے ہو۔ میں بزنس کے اسرار و رموز سیکھنا چاہتی ہوں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں مزید پڑھنا چاہوں۔ یہ سب میرے موڈ پر منحصر ہے۔ میں بہت موڈی ہوں۔ میرے پیرنٹس نے مجھے بہت لاڈ سے پالا ہے، میرے بہت نخرے اٹھائے گئے ہیں۔ میں کسی قدر ضدی بھی ہوں، ایکچوئلی میں تمہیں بتا دینا چاہتی ہوں کہ میرے ساتھ ایڈجسٹ کرنا بہت مشکل ہے۔ میرے اپنے کچھ اصول ہیں۔ اور میں آج تک انہی اصولوں کو فولو کرتی آئی ہوں۔"

میرے گھما پھرا کر دیے گئے شادی کے پروپوزل پر اس نے دوٹوک اور واضح انداز میں کہا تھا۔ میں نے اسے بتایا کہ میں اس سے محبت کرنے لگا ہوں تو وہ ہنس دی پھر پچکارنے والے انداز میں بولی۔

"اتنی سی عمر میں سب کو ایسے ہی لگتا ہے کہ وہ محبت کر رہے ہیں مگر جب کچھ وقت گزرتا ہے تو محبت کا یہ غبارہ پھٹ جاتا ہے۔ شادیاں محبت کی بنیاد پر نہیں ہونی چاہئیں۔ یہ مزاج کی ہم آہنگی کا نام ہے اور مائنڈمٹ کرنا عباس! تمہارے اور میرے مزاج میں بہت فرق ہے۔ تم بہت غیر ذمہ دار اور کسی قدر جذباتی انسان ہو۔ مجھے میچور مرد اچھے لگتے ہیں جبکہ تم بہت امیچور ہو۔"

اس کے دوٹوک انداز پر اصولاً مجھے عشق و عاشقی والے اس کھیل کو ختم کر دینا چاہیے تھا مگر میں نے ایسا نہیں کیا۔ میں نے سب سے پہلے اپنے امی ابو کو اس رشتے کے لیے رضامند کیا اس کے بعد عفیرہ کے گھر پروپوزل بھجوایا۔

شہباز رحیم نے پہلی ملاقات میں ہی باور کرا دیا کہ وہ اپنی بیٹی کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں کریں گے۔ انہیں اس بات پر بھی اعتراض تھا کہ میں ابھی اپنے پاؤں پر بھی نہیں کھڑا ہو سکا لیکن ان سب حوصلہ شکن باتوں کے باوجود میرے ارادے پختہ تھے اور نظر بھی خدا پر تھی اس لیے سب کچھ ٹھیک ہوتا چلا گیا۔

عفیرہ نے خود ہی میرے جذبات دیکھ کر ہتھیار ڈال دیے تھے۔ یوں عفیرہ شہباز کی انگلی میں میرے نام کی

انگوٹھی آگئی۔ میں جو کچھ عرصہ قبل تک ایک بہت زبردست کارڈیالوجسٹ بننا چاہتا تھا۔ جاگتی آنکھوں سے
کے خواب دیکھا کرتا تھا۔ عفیرہ کے ملتے ہی سب بھول بھال گیا۔ منگنی کے کچھ FCPS اور FRCS بھی
عرصے بعد میری اور عفیرہ کی شادی ہو گئی۔

ان دنوں میں ہاؤس جاب کر رہا تھا۔ مالی حالات بھی بہت برے نہیں تھے۔ شادی کے شروع میں تو زندگی کسی خواب کی مانند لگا کرتی تھی مگر پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مجھے اندازہ ہوتا چلا گیا کہ عفیرہ نے اپنے بارے میں جو کچھ کہا تھا وہ رتی برابر جھوٹ نہیں تھا۔ وہ اصولوں سے گندھی ہوئی لڑکی تھی۔ ٹائم پہ اٹھنا، ٹائم پہ سونا، ہر چیز گھڑی کی سوئیوں کی حرکت کے ساتھ ساتھ کرنے میں وہ اپنی اور میری زندگی سے حسن کم سے کم کرتی چلی گئی۔ اسے احساس تھا کہ میں اسے بہت چاہت سے بیاہ کر لایا ہوں اس لیے وہ نخرے کرنا اپنا حق سمجھتی تھی اور میں اس کے نخرے سہنا اپنا فرض، اور اسی طرح ہم نے زندگی کے اتنے سال گزار دیے تھے۔

عفیرہ اچھی بیوی تھی کیونکہ میں اچھا شوہر تھا۔ اس کے رویے میں لچک نہیں تھی وہ زندگی کو اپنے طریقے سے گزارنا چاہتی تھی اور اس میں اسے کسی کی مداخلت بالکل پسند نہیں تھی۔ وہ صرف اپنی پسند کے لوگوں سے میل جول رکھتی تھی۔ اس کا دل چاہتا تو وہ مجھ سے محبت سے بات کر لیتی تھی و گرنہ ہٹلر کی چچی بنی رہتی۔
بچوں کے ساتھ اس کا رویہ ایسا ہی تھا۔ اسے زندگی میں ہر چیز پرفیکٹ چاہیے تھی کیونکہ وہ کوئی کمی برداشت کرنے کی عادی نہیں تھی۔ یہی وجہ تھی میں اپنی ازدواجی زندگی سے ہر گزرتے دن کے ساتھ اکتاہٹ میں مبتلا ہوتا جا رہا تھا۔

"عباس۔۔اٹھو عباس۔۔یو آر گیٹنگ لیٹ!"

عفیرہ نے میرا کندھا ہلاتے ہوئے مجھے اٹھانے کی کوشش کی۔ حالانکہ میں پہلے سے جاگ رہا تھا مگر چونکہ میری آنکھیں بند تھیں اس لیے وہ مجھے سویا ہوا سمجھ رہی تھی۔ میں رات کو جب واپس آیا تو وہ سو چکی تھی۔ وہ اس قدر گہری نیند سوئی ہوئی تھی کہ اسے میری حالت کی خبر بھی نہ ہو سکی تھی جبکہ میرا شاید بی پی ہائی تھا، اس لیے میں پہلو پہ پہلو بدلتا رہا۔ زندگی کے سود و زیاں کا حساب کرتے کرتے رات سے صبح ہو گئی تھی۔ نیند پوری نہ ہو سکنے کے باعث مجھ پر کسلمندی چھائی ہوئی تھی اور دل بھی بہت بوجھل ہو رہا تھا، اسی لیے میں حسب معمول جاگنگ کے لیے جانے کے بجائے آنکھیں بند کر کے بستر پر پڑا تھا۔ عفیرہ کی آنکھ کھلی تو اپنے پہلو میں مجھے دراز دیکھ کر وہ یہی سمجھی کہ میں جاگنگ کے لیے لیٹ ہو رہا ہوں۔

"عباس! اب اٹھ بھی چکو۔" مجھے بے حس و حرکت لیٹا دیکھ کر اس نے ایک بار پھر مجھے جگانا چاہا۔ اب کی بار اس کی آواز میں پہلے کی نسبت زیادہ اکتاہٹ تھی۔

مجھے اس کے انداز نے مزید خفا کر دیا۔ اسے مجھے منانا چاہیے تھا، اسے احساس ہونا چاہیے تھا کہ اس کے کل رات والے رویے نے مجھے ہرٹ کیا ہے۔ اسے کم از کم میری پیشانی پر ہاتھ رکھ کر ایک بار یہ ضرور چیک کرنا چاہیے تھا کہ مجھے ٹمپریچر تو نہیں؟۔ میں خلاف توقع اگر جاگنگ کے لیے نہیں گیا اور اب تک بستر پر لیٹا ہوں تو اس کی وجہ کہیں طبیعت کی خرابی تو نہیں؟ مگر عفیرہ کو ان سب باتوں سے غرض نہیں تھی۔

"میرا ابھی اٹھنے کا موڈ نہیں ہے۔۔ برائے مہربانی مجھے تنگ مت کرو۔"

میں نے اسی انداز میں لیٹے لیٹے جواب دیا۔ میری آنکھیں بند تھیں مگر عفیرہ کے چہرے پر در آنے والی حیرانی میں بند آنکھوں کے عقب سے بھی باآسانی دیکھ سکتا تھا۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد میری سماعتوں نے پھر اس کی آواز سنی۔

"ہاں۔۔کافی عرصے بعد کافی اچھا محسوس کر رہا ہوں۔" اب کی بار میں نے پوری آنکھیں کھول کر ترخ کر جواب دیا۔

وہ میری جانب ہی دیکھ رہی تھی۔ میرا لہجہ اتنا تلخ ضرور تھا کہ وہ چپ چاپ وہاں سے اٹھ جاتی۔ اس کے حسین چہرے پر ناسمجھی کے تاثرات تھے مگر اس نے مجھے دوبارہ مخاطب نہیں کرنے کی کوشش نہیں کی۔ میں نے دوبارہ آنکھیں بند کر کے کروٹ بدل لی۔ مجھے امید تھی کہ وہ ایسا نہیں کرے گی مگر پھر بھی دل چاہ رہا تھا کہ وہ میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ایک بار پوچھ لے۔

"اس طرح بی ہیو کیوں کر رہے ہو عباس! مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی؟ ناراض ہو؟"

میں نے اس کے بستر سے اترنے تک واش روم جانے اور پھر بیڈ روم کا دروازہ کھول کر باہر جانے تک انتظار کیا مگر یہ انتظار لاحاصل ثابت ہوا تھا۔

"کتنی سنگ دل ہو تم عفیرہ!" میں نے پوزیشن بدلتے ہوئے بند دروازے کو دیکھ کر خود کلامی کی پھر زچ ہو کر کمبل کو سر تک اوڑھ لیا۔ کل رات نظر آنے والے بہت سے خوش و خرم چہروں نے مجھے حسد میں مبتلا کر دیا تھا۔ مجھے بہت شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ میری زندگی میں اس سکون و اطمینان کی کمی ہے جس کی شادی کے وقت میں نے خواہش کی تھی۔ میں نے بہت چاہت سے اسے اپنایا تھا۔ مجھے اس سے بہت محبت تھی مگر جب جب یہ احساس ہونے لگتا ہے کہ میری محبت ون وے ٹریفک کی طرح یکطرفہ ہے تو دل بہت بوجھل ہو جاتا تھا۔ ابتدا میں مجھے یقین تھا کہ میری محبت کی شدت عفیرہ کو موم کر دے گی، مگر اب مجھے لگنے لگا تھا کہ میں صرف پتھر سے سر پھوڑ رہا ہوں۔

عفیرہ شہباز میری من پسند عورت تھی مگر عفیرہ عباس سے مجھے بہت سی شکایات رہنے لگی تھیں۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

کمبل۔۔۔کی اوٹ میں لیٹے میں نجانے کب تک جلے دل کے پھپھولے پھوڑتا رہا کیونکہ رات بھر کی بے آرامی کے باوجود مجھے ابھی بھی نیند نہیں آ رہی تھی۔ ایک عجیب سی کوفت تھی جو پورے وجود پر چھائی ہوئی تھی۔

میں نے اکتا کر کمبل دور پھینک دیا اور بستر سے اتر آیا۔

"میں قنوطیت پسند ہوتا جا رہا ہوں۔" میں نے کسلمندی سے انگڑائی لیتے ہوئے خود سے کہا یعنی فرسٹریشن سے نکلنے کی پہلی کوشش کی۔

گھنٹہ بھر شاور لے کر واش روم سے نکلا تو مزاج کچھ ٹھکانے پر محسوس ہو رہا تھا۔ کپڑے وغیرہ تبدیل کر کے میں بچوں سے بھی پہلے ڈائننگ ٹیبل پر آ بیٹھا۔ ناشتے کے دوران عفیرہ کو مسلسل نظر انداز کرتے ہوئے میں بچوں کے ساتھ باتیں کرتا رہا۔ ہمارے گھر میں یہ بہت انہونی سی بات تھی کیونکہ اس سے پہلے میں نے کبھی بھی عفیرہ سے اس طرح کھلم کھلا ناراضی کا اظہار نہیں کیا تھا۔ میں نے کن اکھیوں سے عفیرہ کو دیکھنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی کہ آیا اسے میرے رویے سے پریشانی ہو رہی ہے یا نہیں کہ بہر حال میرا رویہ اس کے لیے بہت انوکھا تھا۔

ناشتے کے بعد میں عفیرہ کو الوداع کہے بغیر بچوں کے ساتھ ہی نکل آیا۔ انہیں اسکول ڈراپ کر کے میں ہاسپٹل آ گیا۔ گھر میں تو پھنے خان بننے کے چکر میں تھکن کو اہمیت نہیں دے رہا تھا مگر ہاسپٹل آ کر مجھے صحیح معنوں میں احساس ہوا تھا کہ میرا سارا جسم ٹوٹ رہا ہے اور مجھے آرام کی ضرورت ہے مگر ہاسپٹل میں آرام کرنے کا وقت کیسے مل سکتا تھا۔

آج کل کماد کی فصلوں کی کٹائی کے باعث ہوا میں گرد بہت زیادہ تھی جس کے باعث صحت عامہ کے مسائل پیدا ہو رہے تھے۔ آنکھوں کے امراض میں بھی اس وجہ سے اضافہ ہو رہا تھا۔ ہاسپٹل میں وہ دن کافی

مصروف گزرا۔ میں لنچ کے بعد سو جایا کرتا تھا مگر اس روز میں نے لنچ بھی نہیں کیا اور غصے کے اظہار کے لیے گھر بھی نہیں گیا بلکہ ہاسپٹل سے ڈائریکٹ کلینک چلا گیا۔

"سر! آپ کا فون ہے۔" زبیری نے مجھے متوجہ کرتے ہوئے کہا۔ میں ایک مریض کی آنکھوں کے لیے مناسب عدسہ تلاش کر رہا تھا۔ اسے ہولڈ کروانے کا اشارہ کر کے میں اپنے کام میں مصروف رہا۔ میرے سر میں شدید درد تھا۔ اور تھکن سے برا حال تھا۔ ہاسپٹل میں بھی کافی مصروفیت رہی تھی اور اب کلینک پہ بھی ایک کے بعد ایک مریض آ رہا تھا۔

"زاہد! بی پی اپریٹس لاؤ اور ان کا بلڈ پریشر چیک کرو۔" میں نے ریسیور اٹھانے سے پہلے زاہد سے کہا اور ٹیبل پر بیٹھ کر ریسیور کان سے لگا لیا۔

میرے چہرے کے تاثرات نارمل نہیں تھے۔ مجھے یقین تھا دوسری طرف عفیرہ ہو گی کیونکہ زبیری جانتا تھا کہ میں کلینک پر صرف پرسنلز کالز اٹینڈ کرتا ہوں۔ وہ مجھے ہر کال ٹرانسفر نہیں کرتا تھا۔

"السلام علیکم عباس صاحب! خیریت سے ہیں آپ؟" عفیرہ کی آواز کے برعکس ایک اور نسوانی آواز سنائی دی۔ مجھے پہچاننے میں کچھ لمحے لگے تھے، وہ نور العزت تھی۔ میں گہری سانس بھر کر ٹیبل سے اتر آیا اور کرسی پر بیٹھ گیا۔ ریسیور ابھی بھی میرے کان سے لگا تھا۔

"والسلام۔۔ مس۔۔ شکر الحمد اللہ۔۔ آپ کیسی ہیں؟" میں نے ذرا کی ذرا شرمندہ لہجے میں کہا۔ میں بھول ہی گیا تھا کہ مجھے اس کی والدہ کے چیک اپ کے لیے جانا ہے۔ پارٹی سے واپسی پر ولید بھائی نے سرسری لہجے میں مجھے تاکید کی تھی۔ ان کی اس "سرسری تاکید" کے بعد یہ مجھ پر فرض ہو گیا تھا کہ میں یہ کام پہلی فرصت میں سرانجام دیتا۔

"دراصل میں بہت دیر سے آپ کے سیل پر ٹرائی کر رہی تھی مگر کوئی رسپانس نہیں مل رہا تھا۔ آپ نے شاید

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

اپنا موبائل آف کر رکھا ہے؟"

اس کی سنجیدہ مگر ملائم آواز میری سماعتوں سے ٹکرائی میں نے کل ہی اسے اپنا موبائل نمبر دیا تھا۔

"ہاں جی۔۔ آئی ایم ویری سوری۔۔ آج بہت مصروفیت رہی۔ میں بس آپ کو کال کرنے ہی والا تھا۔ کلینک پہ زیادہ رش ہو تو میں عام طور سے اپنا موبائل آف ہی رکھتا ہوں۔"

میں نے بھی نرم لہجے میں جواب دیا۔ دوسری جانب چند لمحے خاموشی چھائی رہی شاید وہ مناسب لفظوں کا انتخاب کر رہی تھی۔

"دراصل میں چاہ رہی تھی کہ ممی کا چیک اپ جلد از جلد ہو جائے۔۔ آپ جانتے ہیں وہ ڈائیبٹک ہیں۔۔ مسئلہ سلجھنے کے بجائے دن بدن بگڑ رہا ہے۔۔ اسٹیجز تو کھل چکے ہیں مگر زخم ابھی مکمل ہیل اپ نہیں ہوئے۔۔ میرا خیال ہے ان میں (Pus) پڑ چکی ہے۔"

اس کا لہجہ اس کی پریشانی کا غماز تھا۔

"اچھا۔۔ چلیے دیکھ لیتے ہیں۔۔ آپ پریشان مت ہوں۔۔ انشاءاللہ، اللہ بہتر کرے گا۔"

"میں نے عادت کے مطابق تسلی دی۔

"آپ تشریف لائیں گے یا پھر میں ممی کو لے آتی ہوں۔ آپ کائنڈلی مجھے روٹ سمجھا دیجیئے میرا کبھی مزنگ سائیڈ پر آنا نہیں ہوا۔"

وہ رک رک کر بات کر رہی تھی۔ میرا دھیان زاہد کی جانب تھا جو مجھے مریض کے بلڈ پریشر سے آگاہ کر رہا تھا۔

"ارے نہیں، آپ تردد مت کیجیے۔ ابھی تو جنرل چیک اپ کرنا ہو گا میں ہی آ جاتا ہوں، ضرورت ہوئی تو آپ بعد میں خود لے آئیے گا روٹ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے، میرا کلینک مزنگ مین روڈ پر ہی ہے۔" میں نے

کنپٹیاں دباتے ہوئے اس کی پریشانی رفع کرنے کی کوشش کی۔

"سو نائس آف یو عباس صاحب۔۔ میں مشکور رہوں گی۔"

وہ مطمئن سی بولی۔ میں نے فون بند کر کے گھڑی کی جانب دیکھا آٹھ بجنے والے تھے۔ میں ناشتے کے وقت گھر سے نکلا اور اب ڈنر کا ٹائم ہو چلا تھا مگر میری عزیز از جان بیوی کو اب تک میری یاد نہیں آئی تھی۔ ایک عجیب سی اضطراری کیفیت نے پھر سے مجھے اپنے گھیرے میں لے لیا۔ گزشتہ تقریباً چوبیس گھنٹے سے میری عفیرہ سے ناراضی چل رہی تھی اور یہ پہلی بار ہوا تھا کہ میں نے اس ناراضی کو ختم کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ عام طور سے میری اور عفیرہ کی ناراضی ایک ڈیڑھ گھنٹے تک ہی طول پکڑتی تھی پھر میں اسے منا لیا کرتا تھا۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر میز پر پڑا موبائل اٹھایا اور اسے آن کر دیا۔ عفیرہ سے ناراضی کے باعث میں نے اسے off کر رکھا تھا۔

"زبیری۔۔! اگر میں ابھی چلا جاؤں تو تم سنبھال لو گے نا؟"

میں نے وہیں بیٹھے بیٹھے اس سے پوچھا۔ اس نے بی فارمیسی کر رکھی تھی اور میرے پاس ملازمت سے پہلے وہ میڈیکل ریپ کے فرائض انجام دیتا رہا تھا۔

"یس سر۔۔ ڈونٹ وری۔۔ یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے سر!"

زبیری نے اپنے مخصوص پُرسکون لہجے میں کہا۔ میں مطمئن ہو کر اٹھ گیا۔ مزنگ سے کینال ویو تک پہنچنے میں ٹھیک ٹھاک ٹائم لگا تھا۔ نور العزت میری منتظر تھی۔ گرے رنگ کی سوتی سوٹ پر میرون شال کندھے پہ ڈالے وہ پہلی دو ملاقاتوں کی نسبت آج زیادہ سنجیدہ اور سوبر لگ رہی تھی مگر پریشانی اس کے چہرے سے مترشح تھی۔ اس کی ممی اس سے زیادہ باہمت اور حوصلہ مند خاتون تھیں۔ تکلیف کے باوجود وہ مجھ سے شفیق لہجے میں ایڈجسٹ ہو چکے تھے مگر زخم مندمل Lens باتیں کرتی رہیں۔ ان کا اصل مسئلہ ذیابیطس کی بیماری ہی تھا۔

نہیں ہو رہے تھے۔

"آپ شوگر لیول کیسے چیک کرتی ہیں؟" میں نے نور العزت سے پوچھا۔

"اپریٹس ہے میرے پاس۔" اس نے دھیمے سے لہجے میں جواب دیا۔ اس کی ننھی سی ناک بے تحاشا سرخ ہو رہی تھی۔ میں نے پہلی دو ملاقاتوں میں اسے ہنستے مسکراتے ہی دیکھا تھا اسی لیے اس کی یہ کیفیت مجھے کچھ عجیب سی لگ رہی تھی۔ وہ اپنی والدہ کے لیے زیادہ ہی پریشان ہو رہی تھی۔

"اوکے۔۔ بھاگ کر جائیے اور اپریٹس لے کر آئیے اور پھر ان کا شوگر لیول چیک کیجئے۔"

میں نے اسے پچکارتے ہوئے کہا۔ سرخ ناک اور نم آنکھوں کے ساتھ وہ بالکل چھوٹی سی بچی لگ رہی تھی۔ میرا سامنا ابھی تک کسی مرد سے نہیں ہوا تھا اور مجھے اس بات پر حیرت ہو رہی تھی۔ وہ کمرے سے باہر جا چکی تھی۔

"نوری بہت جلد پریشان ہو جاتی ہے۔۔ حالانکہ اب میں بالکل ٹھیک ہوں، مگر پھر بھی۔۔ دراصل اپنے ڈیڈی کے انتقال کے بعد وہ میرے لئے بہت حساس ہو گئی ہے۔۔ بہت پریشان رہتی ہے میرے لیے۔"

اس کی ممی نقاہت کے باوجود بہت واضح لہجے میں بات کر رہی تھیں۔ انہوں نے آنکھیں بالکل جھکا رکھی تھیں، کیونکہ ان میں زخموں کی وجہ سے روشنی کا بہت ہلکا سا احساس تھا۔ میں خاموشی سے ان کی بات سنتا رہا۔ میں اور کر بھی کیا سکتا تھا۔ نور العزت کے بجائے ملازمہ مجھے اپریٹس تھما گئی تھی۔ میں شوگر لیول چیک کرنے لگا۔ لمحہ بھر بعد ہی ریڈنگ سامنے تھی جو بالکل بھی نارمل نہیں تھی۔ اسی اثناء میں نور العزت ٹرالی دھکیلتی اندر آ گئی۔

"یہ کن تکلفات میں پڑ گئی ہیں آپ؟" میں نے بھری ہوئی ٹرالی دیکھ کر شرمندگی سے کہا۔ میں وہاں ڈاکٹر کی حیثیت سے آیا تھا اور اس طرح کی خدمت کروانا مناسب نہیں لگتا تھا۔

"ایک کپ چائے پینے میں کوئی حرج نہیں ہے عباس صاحب!" وہ ٹرالی سینٹرل ٹیبل کے قریب روکتے ہوئے بولی۔ اس کی ممی کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ایک کپ چائے پینے میں واقعی کوئی حرج نہیں تھا مگر آج صبح سے میرے اندر چائے کے سوا گیا ہی کیا تھا۔ مجھے بھوک لگ رہی تھی اس طرح سے کسی کے گھر میں بیٹھ کر کھانا پینا مجھے بہت نامناسب لگ رہا تھا۔ میری اور اس گھر کے مکینوں کی واقفیت کی عمر بہت مختصر تھی۔

"مجھے نجانے کیوں ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ آپ کو بھوک لگی ہے۔۔ ٹائم بھی تو ڈنر کا ہو چلا ہے مگر ڈنر تو آپ اپنی وائف کے ساتھ کرتے ہوں گے اس لیے میں چائے لے آئی۔"

اس نے ٹرالی میں سے پائن ایپل کیک نکال کر ٹیبل پر رکھتے ہوئے بہت سادہ سے لہجے میں کہا۔ مجھے حیرت ہوئی تھی، بھلا اسے کیسے پتا چلا تھا کہ میں بھوک محسوس کر رہا ہوں اور پھر اس کا دوسرا فقرہ میرے دل کو جلانے کے لیے کافی تھا۔

"نہیں بی بی! میں اپنی وائف کے ساتھ ڈنر نہیں کرتا۔ انہیں ایسے چونچلوں کی فرصت کہاں۔"

میں نے گہری سانس بھر کر خود سے کہا۔ بھلا ایسی باتیں کوئی کسی سے کیسے کہہ سکتا ہے۔ مجھے پھر سے عفیرہ پر غصہ آنے لگا اور یہ غصہ بھی عجیب تھا کہ اس میں دکھ زیادہ تھا۔ بہت کچھ پا کر کچھ نہ پانے کا احساس مجھے پھر سے اپنے حصار میں لینے لگا۔ میں نے گہری سانس بھر کر نور العزت کی طرف دیکھا اور پھر اپنی ہتھیلیوں کی جانب اشارہ کیا۔

"واش روم اس طرف ہے۔" اس نے میرا اشارہ سمجھ کر بتایا۔ میں نے گزشتہ کئی برسوں سے یہ اصول اپنا رکھا تھا کہ دس بجے تک ہر حال میں گھر پہنچ جایا کرتا تھا۔ کسی پارٹی یا فنکشن میں جانا ہوتا تو بھی گھر پہ بتا کے جاتا تھا مگر آج میری زندگی کا ایک عجیب دن تھا۔ ساڑھے نو بج چکے تھے اور میں یہاں چائے پینے کے لیے بیٹھ گیا تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

"یہ کباب لیجیے۔۔۔ آئی ایم شیور آپ ایک کباب کے بعد مزید کی طلب محسوس کریں گے۔"

میرے کرسی سنبھالتے ہی نور العزت نے کانچ کی نفیس سی پلیٹ میری جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

"آپ چاہتی ہیں میں یہ کباب ہی کھاتا رہوں اور پائن ایپل کیک میرے ہاتھوں سے مرحوم ہونے سے بچ جائے۔" میں نے کباب پلیٹ میں رکھتے ہوئے بے تکلفی سے کہا۔

"نوری کی کوکنگ بہت زبردست ہے۔"

اس کی ممی نے مسکراتے چہرے کے ساتھ اپنی بیٹی کو سراہا۔

"شیور آنٹی! مجھے اندازہ ہو رہا ہے۔" میں نے کباب کے ایک ٹکڑے کو کیچپ میں ڈبویا اور مزے لے کر کھاتے ہوئے بولا۔ کباب سچ مچ بہت ذائقہ دار تھے۔ نور العزت کے چہرے پر جھینپی ہوئی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس کی یہ مسکراہٹ میرے لیے بہت مانوس تھی اور یہ مسکراہٹ اس کے سادہ سے چہرے پر بہت بھلی لگتی تھی۔

ماحول میں بے تکلفی سی پھیل گئی تھی۔ ریفریشمنٹ سے لطف اندوز ہوتے ہوئے میں نے مرض کے متعلق ڈسکس کر لیا۔ بات عجیب سی ہے مگر سو فیصد درست ہے کہ جب آپ کسی کو اپنی خفگی کا احساس دلانا چاہتے ہیں تو بہت سی الٹی سیدھی حرکتیں بھی کر جاتے ہیں۔ نور العزت کے ساتھ بیٹھ کر چائے پیتے ہوئے خوامخواہ ہی میرا دل چاہ رہا تھا کہ عفیرہ بھی یہاں موجود ہوتی اور میں یہ دیکھ سکتا کہ ایک خوبصورت لڑکی کے ساتھ بیٹھ کر چائے پیتا دیکھ کر وہ کیا محسوس کرتی ہے۔

میری واپسی ساڑھے دس بجے کے بعد ہوئی۔لان کی اور مین گیٹ کی لائٹس ابھی تک آن تھیں مگر لاؤنج سمیت باقی سارا گھر تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔اچانک ہی میرا دل ایک عجیب سی پشیمانی میں گھر گیا۔عفیرہ سے میری ناراضی بجا سہی مگر اس میں بچوں کا کیا قصور تھا۔آج صبح سے میں نے ہشام اور دریہ کو نہیں دیکھا تھا۔لنچ کے وقت میں گھر آکر ایک آدھ گھنٹہ بچوں کے ساتھ ضرور گزارتا تھا۔ان کے ننھے ذہنوں میں میری غیر موجودگی کے متعلق یقیناً شبہات ابھرے ہوں گے اور نجانے عفیرہ نے انہیں کیسے مطمئن کیا ہوگا۔میں بیڈ روم میں بہت خاموشی سے داخل ہوا۔کمرے میں بھی تاریکی کا راج تھا حتیٰ کہ نائٹ بلب بھی آن نہیں تھا۔ میں نے عفیرہ کی بے حسی پہ لعنت بھیجتے ہوئے واش روم کا رخ کیا۔کپڑے تبدیل کرکے نائٹ بلب آن کیا

اور بستر پر دراز ہوگیا۔وہ اوندھی لیٹی تھی اور یقیناً سو چکی تھی۔میں کچھ دیر اس کی پشت کو تکتا رہا اور خفگی سے پیچ وتاب کھاتا رہا،عفیرہ عام حالات میں بھی بارہ بجے سے پہلے نہیں سوتی تھی۔اس کی اپنی این جی او کے ہی بے شمار کام ہوتے تھے مگر جب مجھ پر یہ جتانا مقصود ہوتا کہ اسے میری رتی برابر پروا نہیں ہے تو وہ میرے آنے سے قبل ہی لحاف اوڑھ کر بستر پر پڑ جایا کرتی تھی۔

میں نے نائٹ بلب آف کرکے کروٹ بدل لی۔چند لمحے گزرے ہوں گے کہ مجھے اپنے عقب میں حرکت کا احساس ہوا پھر عفیرہ کا ہاتھ میرے کندھے پر آٹکا مگر میں نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔

"عباس!ناراض ہو؟"اس کی بہت دھیمی سی آواز میری سماعتوں سے ٹکرائی ایک لمحے کے لیے تو مجھے لگا میں خواب دیکھ رہا ہوں۔عفیرہ ناراضی ختم کرنے میں کبھی پہل نہیں کرتی تھی۔اس کا ہاتھ جو ابھی تک میرے کندھے پر دھرا تھا مجھے احساس دلا رہا تھا کہ یہ خواب نہیں حقیقت ہے۔میں کچھ دیر اسی طرح لیٹا رہا پھر میں نے رخ بدل کر اس کی جانب دیکھا اور دیکھتا رہا۔اس کے چہرے پر پشیمانی نہیں تھی مگر آنکھوں میں الجھن تیر رہی تھی۔

ایک لمحے کے لیے بس ایک لمحے کے لیے میرا دل چاہا کہ اس کے حسین چہرے پر ایک زوردار طمانچہ رسید کروں اور چلا کر پوچھوں۔

"اب خیال آیا ہے تمہیں میرا؟"

مگر انسانی فطرت بہت عجیب ہے۔ہم جن سے بہت محبت کرتے ہیں ان سے خواہش کے باوجود ناراض نہیں رہ سکتے۔مجھے بھی عفیرہ سے بہت محبت تھی۔میرا دل چاہتا تھا کہ وہ میرے لیے پریشان ہو،بے قرار ہو۔ میری خفگی پر اس کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگیں اور اب جب وہ اس طرح کر رہی تھی تو مجھے خود پشیمانی ہونے لگی تھی۔

"ناراض ہو؟"اس نے میری خاموشی سے جھنجھلا کر میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے دوبارہ استفسار کیا تھا۔

میں نے گہری سانس بھر کر مجھے سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"ہاں۔۔۔ناراض ہوں،بہت ناراض ہوں۔دل چاہتا ہے کبھی بات نہ کروں تم سے۔"

میں نے سرگوشی کی تھی۔

"بابا!آج آپ بہت کیوٹ لگ رہے ہیں۔"دریہ کی بات نے مجھے مسکرانے پر مجبور کر دیا۔

"آج کیا خاص بات ہوگئی بیٹا!کہ بابا آپ کو کیوٹ لگنے لگے۔"میں نے محبت سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔ٹیبل پر اس کے اور میرے علاوہ کوئی موجود نہیں تھا۔ہشام نے ٹھیک سے ہاتھ نہیں دھوئے تھے میرے کہنے پر وہ دوبارہ ہاتھ دھونے گیا تھا جبکہ عفیرہ خانساماں کے ساتھ کچن میں مصروف تھی۔آج کا ڈنر

بہت اسپیشل تھا کیونکہ عفیرہ بہت دن بعد اپنے ہاتھوں سے ہمارے لیے کچھ بنا رہی تھی۔

"آج آپ بہت اسمائل کر رہے ہیں بابا! آپ جب اسمائل کرتے ہیں تو بہت کیوٹ لگتے ہیں۔"

دونوں ہاتھ تھوڑی کے نیچے ٹکائے معصومیت سے کہتی وہ خود مجھے اس لمحہ بہت پیاری لگی۔

"تھینکس بیٹا!" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ میرا موڈ حقیقتاً بہت خوشگوار تھا۔ گزشتہ رات عفیرہ نے نا صرف مجھ سے ایکسکیوز کیا تھا (اگرچہ اس کا ایکسکیوز فارمل معافی تلافی والا نہیں تھا مگر پھر اس کا مجھے مخاطب کرنے میں پہل کرنا ہی میرے لیے کافی تھا) بلکہ صبح ہاسپٹل جاتے وقت میری ٹائی کی ناٹ اس نے اپنے ہاتھ سے بنائی تھی اور بطور خاص گھر جلدی آنے کے لیے کہا تھا۔ میں اس کے ہر انداز پر ریشہ خطمی ہوا جا رہا تھا۔ کلینک پہ بھی میرا مزاج بہت ہشاش بشاش رہا تھا۔ زبیری نے مجھے چڑانے کی کوشش کرتے ہوئے دو تین مرتبہ کہا۔

"خیر تو ہے سر! آج آپ اکیلے اکیلے مسکرائے چلے جا رہے ہی۔۔ کسی گرل فرینڈ کا چکر تو نہیں ہے نا سر! مجھے بتا دیجئے قسم سے کسی کو نہیں بتاؤں گا۔"

اور اب دریہ کا بھی یہی خیال تھا کہ میں بہت اسمائل کر رہا ہوں۔

"آپ دریہ کو تھینکس کیوں بول رہے ہیں پاپا؟" ہشام نے شاید آخری فقرہ ہی سنا تھا تب ہی وہ دوڑ کر میرے قریب آتے ہوئے پوچھنے لگا۔ میں نے اسے اٹھا کر گود میں بٹھا لیا۔ آج نجانے کیوں عفیرہ کی کسی روک ٹوک سے ڈر نہیں لگ رہا تھا۔

"دریہ نے آپ کو چاکلیٹ دی ہے؟ پاپا مجھے بھی چاکلیٹ کھانی ہے۔" وہ میرے کان میں سرگوشی کرنے لگا۔ بہن سے اس کی دوستی بھی بہت تھی اور جھگڑا بھی بہت ہوتا تھا۔ دریہ نے اس کی بلند سرگوشی سن لی تھی۔

"میں نے بابا کو چاکلیٹ نہیں دی، بلکہ میں نے بابا کی تعریف کی تھی۔ بابا کی اسمائل بہت اچھی ہے۔" دریہ اسی انداز میں بولی۔ میرے چہرے کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔

"مجھے بھی دکھایئے بابا!" ہشام نے اپنے ننھے ننھے ہاتھ میرے گالوں پر رکھ کر بغور مجھے دیکھا۔ میرے لبوں سے قہقہہ ابل پڑا۔ اتنے غور سے میرا جائزہ شاید کبھی عفیرہ کے ڈیڈی نے بھی نہیں لیا تھا۔

"آپ کی اسمائل بہت اچھی ہے بابا!" ہشام نے بھی فوراً میری تعریف کی۔ اب کی بار میں جھینپ سا گیا۔ میرے بچے میری تعریف بھی ایسے کر رہے تھے جیسے مجھے شرمندہ کرنے کی کوشش کر رہے ہوں۔

"اب تم دونوں مل کر مجھے شرمندہ کرو گے۔"

میں نے ہشام کے رخساروں پر پیار کرتے ہوئے کہا تھا۔ ہشام میری گود میں ایسے بیٹھا تھا جیسے تخت پر بیٹھا ہو، جبکہ دریا اس کی جانب بہت عجیب سی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں محرومی، یاسیت اور نجانے ایسا کیا تھا کہ میں چونک سا گیا۔ ہاتھوں کے پیالے میں چہرہ ٹکائے، سنہری بالوں کو دو چھوٹی چھوٹی پونیوں میں جکڑے، کالی موٹی موٹی آنکھوں کو جھپکتی وہ بہت دل گرفتہ سی لگ رہی تھی۔ دو مہینے قبل ہم نے اس کی دسویں سالگرہ سیلیبریٹ کی تھی۔ وہ بہت صحت مند سی بچی تھی۔ دریہ ہی نہیں ہشام بھی کافی صحتمند تھا اور اس کا کریڈٹ عفیرہ کو ہی جاتا تھا کیونکہ وہ بچوں کی ڈائٹ وغیرہ کے معاملے بہت دھیان رکھتی تھی۔

"آپ کیا سوچ رہی ہو گڑیا!" میں نے دریہ کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ وہ بغور میرے اور ہشام کی جانب دیکھ رہی تھی۔ میرے سوال پر چونک گئی۔

"بولو نا جانو کیا بات ہے؟" میں نے اپنے لہجے میں مزید محبت سموئی۔

"بابا! جب میں ہشام جتنی تھی تو آپ مجھے بھی ایسے ہی گود میں بٹھایا کرتے تھے جیسے ہشام کو بٹھاتے ہیں۔" اس نے سادہ سے لہجے میں سوال کر کے مجھے انتہائی پیچیدہ سوچ میں الجھا دیا تھا۔ وہ کیا کہنا چاہتی تھی میں بخوبی سمجھ گیا تھا۔ مجھے اس سے بہت محبت تھی۔ میں آج کی دنیا کا ایک جدت پسند انسان تھا۔ میرے لیے ہشام اور دریہ دونوں برابر تھے مگر دریہ کے حصے میں اس قسم کی عملی محبت کے مظاہرے ذرا کم ہی آتے تھے۔

"جی بیٹا، ناصرف میں آپ کو ہر وقت گود میں بٹھائے رکھتا تھا، بلکہ آپ کے دادجان بھی آپ سے بہت پیار کرتے تھے اور آپ ہر وقت ان کی گود میں سوار رہا کرتے تھے۔"

میں نے دل ہی دل میں اپنی حیرانی پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ وہ کس قسم کے احساس کمتری کا شکار ہو رہی تھی میں بہت اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ وہ بڑی ہو رہی تھی۔ ہر چیز پر غور کرنا اور پھر اپنے ذہن کے مطابق اس کے معانی و مطالب نکالنا اس عمر میں بہت فطری سی بات تھی۔ وہ سمجھتی تھی کہ ہم اس کی نسبت ہشام سے زیادہ پیار کرتے ہیں اور اس پر توجہ نہیں دیتے۔ اس سوچ کی بنیادی وجہ عفیرہ کا جانبدارانہ رویہ تھا۔ وہ بلاشبہ ایک سخت گیر ماں تھی، مگر دریہ کے معاملے میں تو وہ انتہائی سخت گیر ہو جایا کرتی تھی۔ اس کا ذاتی خیال تھا کہ بچیوں کے ساتھ زیادہ نرم رویہ برتنے سے وہ ال مینرڈ اور ان ڈسپلنڈ ہو جاتی ہیں۔

"اب دادا جان کدھر ہیں؟" ہشام نے پھر ہاتھ میرے گالوں پر رکھ کر سوال کیا۔ ماں کی غیر موجودگی میں وہ بہت لاڈلا بننے کی کوشش کیا کرتا تھا۔

"ان کی ڈیتھ ہو چکی ہے۔۔ وہ اللہ میاں کے پاس رہتے ہیں۔" دریہ نے جواب دیا۔ ابو کا انتقال ہوا تو وہ پانچ سال کی تھی۔ اس کے ذہن میں ان کی بہت موہوم سی یادیں تھیں۔

"ہیں بابا؟۔۔ اللہ میاں کے پاس؟۔۔ سچی؟ طلحہ کے دادا جان تو اس کے ساتھ اس کے گھر میں رہتے ہیں۔" تصدیق چاہنے کے ساتھ ساتھ اس نے اپنے ایک کلاس فیلو کا حوالہ بھی دے دیا مجھے ایک بار پھر ہنسی آ گئی۔

ہشام بہت پیاری باتیں کرتا تھا۔ نور العزت کے پاس اس نے تقریباً ایک مہینہ گزارا تھا، مگر اس کا لہجہ کافی واضح اور رواں ہو چکا تھا حالانکہ ابھی ایک سیشن مزید باقی تھا۔ مجھے یکدم نور العزت کا خیال آیا۔ آج سارا دن عجیب سرخوشی میں گزر گیا تھا۔ میرے ذہن سے ہی نکل گیا تھا کہ مجھے اس کے گھر فون کرکے کم از کم اس کی

والدہ کا احوال ضرور دریافت کر لینا چاہیئے۔ میں بچوں کے ساتھ بہت عرصہ بعد اتنی فراغت سے بیٹھا تھا اس لیے ابھی فون کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اور پھر دریہ کا موڈ جس طرح کا ہو رہا تھا

اس کا تقاضا تھا کہ میں اس کے ذہن میں موجودہ خدشات کو دور کرنے کی کوشش کروں، اس لیے میں اس سے۔۔ زیادہ محبت سے باتیں کرنے لگا۔ اس کے لیے اتنی توجہ ہی بہت تھی کہ اس کا باپ ہر چیز سے بیگانہ اس کی چھوٹی چھوٹی سی باتیں اتنے غور سے سن رہا ہے۔ ہشام نے چند لمحے تو دریہ کی باتوں کو بغور سنا پھر بور ہو کر میری شرٹ کے بٹنوں سے کھیلنے لگا۔ ٹی شرٹ کی پاکٹ میں پڑا میرا موبائل نکال لیا۔

"اس سے میری پکچر نکال دیں۔" وہ موبائل میرے چہرے کے آگے لہراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ کچھ روز قبل غیاث بھائی کے بیٹے نے میرے موبائل پہ دریہ اور ہشام کی تصویریں download کر کے دی تھیں۔ میں موبائل میں سے ان دونوں کو باری باری پکچر نکال کر دکھانے لگا اسی اثناء میں عفیرہ نے ڈنر کے تیار ہو جانے کی اطلاع دی۔ ملازمہ برتن پہلے ہی لگا چکی تھی۔

عفیرہ نے ہمارے لیے چکن چاؤمن اور فرائیڈ فش تیار کی تھی۔ اس کا مزاج بھی کافی اچھا تھا۔ مجھے اگر پتا ہوتا کہ میری ایک دن کی ناراضی اس کے مزاج پر اس قدر مثبت اثر ڈالے گی تو میں یہ حربہ بہت پہلے ہی آزما چکا ہوتا۔ ڈنر کے بعد بچے ٹی وی پر اپنا کوئی فیورٹ پروگرام دیکھنے لگے تھے عفیرہ انہیں گیم شو قسم کے پروگرام دیکھنے کی اجازت دے دیا کرتی تھی۔ میں ٹیرس پر آ گیا۔ روحانی و جسمانی لحاظ سے میں اپنے آپ کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ انسان کا دل مسرور ہو تو ہر چیز خوب صورت لگنے لگتی ہے۔ سیاہ آسمان پر آخری تاریخوں کا زرد چاند بہت پھیکا ہونے کے باوجود مجھے بہت متاثر کن لگ رہا تھا۔ ہوا میں اچھی خاصی خنکی تھی مگر پھر بھی میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں مزید کچھ دیر یہاں بیٹھا رہوں۔

"کافی!" عفیرہ نے مجھے متوجہ کرتے ہوئے مگ تھمایا۔

"تھینکس ڈیئر۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ مجھے اس کے آنے کا پتا نہیں چلا۔

"اچھا لگ رہا ہے نا؟" عفیرہ نے گہری سانس بھر کر فضا کی خوب صورتی کو اپنے اندر سموتے ہوئے کہا۔ میں اس کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے یہ جانچنے کی کوشش کر رہا تھا کہ آیا وہ اپنے اندر آنے والی اس یکایک تبدیلی سے واقف ہے یا نہیں۔ اس کی بات سن کر میں ایک بار پھر مسکرایا۔

"اچھا لگ رہا ہے اور اچھی بھی لگ رہی ہو، بلکہ بہت اچھی لگ رہی ہو۔"

میں نے اس کے خوبصورت چہرے کو تکتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا، اس کے چہرے پہ ہلکی سی مسکراہٹ چمکی۔ اسے اپنے تاثرات چھپانے میں کمال کا ملکہ حاصل تھا۔ اس کے اندر کیا ہو رہا ہے کم از کم اس کے چہرے سے کبھی پتا نہیں چلتا تھا۔

"آج کیا مصروفیت رہی؟" اس نے یکدم سوال کیا۔ کافی کا مگ میرے ہاتھ سے گرتے گرتے بچا۔ اس قسم کے سوالات تو وہ کبھی بھی نہیں کرتی تھیں۔ مجھے نجانے کیوں محسوس ہوا کہ وہ کچھ کھوئی کھوئی سی ہے۔ ابھی اس کے سوال کا جواب دینے کی نوبت بھی نہیں آئی تھی کہ گیٹ پہ کسی گاڑی کے رکنے اور ہارن کی آواز آئی۔ میں ہارن کی آواز کو بخوبی پہچانتا تھا۔ یہ غیاث بھائی کی گاڑی کا مخصوص ہارن تھا۔ ان کا اس وقت آنا کوئی اچھنبھے کی بات نہیں تھی۔ وہ میرے بڑے بھائی تھے۔ پندرہ بیس دن بعد وہ ہماری خیریت دریافت کرنے یا گپ شپ لگانے آجایا کرتے تھے۔ عموماً نازیہ بھابھی ان کے ساتھ ہوتی تھیں۔ بچے ان کے بھی دو ہی تھے جو میرے بچوں سے عمر میں کافی بڑے تھے۔ حفصہ سیکنڈ ایئر میں تھی جبکہ سعد او لیول میں تھا۔ مجھے اپنے بھائی سے اور بھتیجا بھتیجی سے تو کافی محبت تھی مگر نجانے کیوں نازیہ بھابھی سے میری کبھی نہیں بنی تھی۔ اس کے باوجود میں انہیں بہت خندہ پیشانی سے برداشت کرتا تھا۔ ان کے والد محترم اور بھائی میری ہی فیلڈ سے وابستہ تھے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

ہم ٹیرس سے نیچے اتر آئے۔ حفصہ اور سعد ان لوگوں کے ساتھ تھے۔

"سعد بچے! میرا پی سی چیک کر لو۔ اس میں پھر کوئی گڑبڑ ہو رہی ہے۔"

میں نے سعد سے کہا۔ اسے سوفٹ ویئر، ہارڈ ویئر دونوں میں ہی مہارت حاصل تھی۔

"جی چاچو!" وہ سعادت مندی سے اٹھ کر اسٹڈی کی جانب چل دیا۔ غیاث بھائی ٹرانسپورٹ کے بزنس میں تھے۔ میں ان سے ان کے بزنس کے متعلق باتیں کرنے لگا۔ ہشام ان کی گود میں چڑھا بیٹھا تھا جبکہ دریہ، حفصہ کے پاس بیٹھی اس کی کلائی میں موجود چوڑیوں سے کھیلنے اور باتیں بگھارنے میں مگن تھی۔

"تمہاری فلائٹ تو نیکسٹ ٹیوزڈے کو ہے نا۔ ابھی تو تقریباً پورا ہفتہ پڑا ہے۔"

نازیہ بھابھی نے یکدم اونچی آواز میں کہا۔ میرا دھیان ان کی جانب نہیں تھا مگر ان کے اونچے والیوم نے خود بخود میرا دھیان ان کی جانب کر دیا۔ میں نے سوالیہ نظروں سے ان کی جانب دیکھا۔ وہ کس کی فلائٹ کی بات کر رہی تھیں۔

"تیاری مکمل ہو گئی یا نہیں۔۔ کپڑے کس قسم کے بنوائے ہیں؟" انہوں نے عفیرہ کی جانب دیکھتے ہوئے ایک اور سوال کیا۔ آواز اب بھی اونچی تھی۔ مجھے محسوس ہوا جیسے وہ جان بوجھ کر اونچی آواز میں بات کر رہی ہیں۔

"تم اتنی حیرانی سے مجھے کیا دیکھ رہے ہو بھئی۔۔ تمہیں تو پتا ہی ہوگا۔۔ تمہیں بتائے بغیر تو عفیرہ ایمسٹرڈیم والے لے کر جا رہے ہیں۔ بھئی یہ بہت بڑے اعزاز کی بات ہے دراصل آج EPB نہیں جا رہی ہوگی۔۔ کل پاکستانی ہینڈی کرافٹس کی بہت مانگ ہو گئی ہے۔۔ ایمبرائیڈری پر تو جان دیتے ہیں باہر کے لوگ، میرا خیال ہے تمہاری این جی او رحیم یار خان اور بہاولپور وغیرہ کی ضرورتمند عورتوں کو گھیر گھار کر یہ کام کرواتی ہے۔۔ اچھا سائڈ بزنس ہے ویسے۔"

انہوں نے آخری بات بطور خاص میری جانب دیکھتے ہوئے کہی۔ میرے لیے یہ اطلاع، انکشاف کے برابر تھی۔ مجھے تو عفیرہ نے اس خبر کی ہوا بھی نہیں لگنے دی تھی۔ میرے اندر تک توڑ پھوڑ ہوئی تھی۔ عفیرہ یکا یک اس قدر مہربان کیوں ہو رہی تھی مجھے بخوبی سمجھ میں آ گیا تھا۔

والوں کے ساتھ مل کر جوائنٹ EPB" مجھے بتایا تھا عفیرہ نے نازیہ بھابھی۔۔ بلکہ یہ میرا ہی آئیڈیا تھا کہ ایڈونچر کرنے کا بہت فائدہ ہو گا۔" میں نے اندر کی جلن پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ نازیہ بھابھی کی بولتی بند کرنا بہت ضروری تھا۔ عفیرہ کے چہرے پر ندامت و پشیمانی کے کوئی آثار نہیں تھے۔ وہ بہت اطمینان سے میرا سکون غارت کر کے ان لوگوں سے باتیں کر رہی تھی۔ میرا حال بالکل اس شخص کے جیسا ہو رہا تھا جسے کسی نے میٹھی نیند سے ٹھنڈا ٹھنڈا پانی انڈیل کر جگا دیا ہو۔ وہ ٹیرس پر یقیناً مجھے یہی سب بتانے والی تھی۔

"کم از کم مجھے اپنے اس پروگرام کے متعلق ایک بار انفارم ہی کر دیتیں۔" ان لوگوں کے جانے کے بعد بیڈروم کی تنہائی میں، میں نے اس سے کہا۔

"ارے ہاں۔۔ آئی ایم سوری عباس۔۔! میں تمہیں آج کی تاریخ میں انفارم کرنے ہی والی تھی۔"

اس نے بالوں میں برش چلاتے ہوئے کہا۔ میں بیڈ پر نیم دراز تھا۔ آنکھوں سے نظر کا چشمہ لگائے گود میں صبح کا اخبار رکھے میں اندر ہی اندر ابل رہا تھا، مگر عفیرہ پر جیسے کوئی اثر ہی نہیں ہو رہا تھا۔

"کتنے دن کا وزٹ ہے؟" میں نے پھر سوال کیا۔

"ڈیڑھ سے دو ماہ تو لگ ہی جائیں گے۔" اس نے مخصوص ازلی اطمینان والے انداز میں جواب دیا۔ مجھے تو "ڈیڑھ دو ماہ" سن کر ہی چپ لگ گئی تھی جبکہ وہ کہہ رہی تھی۔

میں نے مسز لاشاری سے صاف کہہ دیا کہ اس سے زیادہ لمبا پروگرام میں افورڈ ہی نہیں کر سکتی۔ میرے بچوں کی آیا بہت اچھی ہے مگر بچے تو بچے ہی ہوتے ہیں۔ ماں چیک نہ رکھے تو آیا بھی کب تک ذمہ داری نبھائے گی

ویسے تم فکر مت کرنا عباس! میں آیا کو کہہ کر جاؤں گی۔ دریہ اور ہشام تمہیں بالکل تنگ نہیں کریں گے۔"

گویا اس کے نزدیک اصل مسئلہ صرف بچوں کا تنگ کرنا تھا۔ میری اس کے نزدیک کوئی اہمیت ہی نہیں تھی۔ میں اس کے بغیر کیسے رہوں گا، اس نے اس کے متعلق شاید سوچا ہی نہیں تھا۔ غیاث بھائی نے گزشتہ سال اپنے بچوں کے عقیقے کیے تو عفیرہ کی منتیں کر ڈالیں کہ ایک دن پہلے سے آ جانا اور رات ہمارے گھر رہنا مگر عفیرہ نے تب صاف انکار کر دیا تھا کہ وہ اپنے بیڈروم کے علاوہ کہیں بھی آرام محسوس نہیں کرتی اور اب ایمسٹرڈیم کی آزاد فضاؤں میں وہ ڈیڑھ دو ماہ رکنے پر بھی تیار تھی۔ وہ آج سارا دن اتنی خوش تھی، اس کے رویے میں کس قدر لچک تھی۔ وہ بچوں سمیت ہم سب پر بے حد مہربان ہو رہی تھی اور اس کی وجہ صرف اور صرف ایمسٹرڈیم کا یہ وزٹ تھا۔ وہ خود اپنی ذات کے لیے مجھ پر مہربان ہو رہی تھی اور میں اس کے رویے کو اس کی محبت سمجھ رہا تھا۔

"بابا! مما جلدی واپس آ جائیں گی نا؟" دریہ نے میرے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ عفیرہ کو ایمسٹرڈیم گئے ابھی صرف دو دن ہی ہوئے تھے مگر ہم سب اسے بہت مس کر رہے تھے۔

ل حفصہ، ہشام اور دریہ کو اپنے ساتھ لے گئی تھی اس لیے بچے بہلے رہے تھے مگر آج میں انہیں واپس لے آیا تھا۔ گھر میں آیا موجود تھی مگر پھر بھی میں سات بجے ہی کلینک سے واپس آ گیا تھا اور اب کارٹون نیٹ ورک پہ بھدی شکلوں والے کسی کارٹون پروگرام کو دیکھتے ہوئے میں دل ہی دل میں عفیرہ کے رویے پر کڑھ رہا تھا۔ دریہ اپنا ہوم ورک مکمل کر چکی تھی اور مجھ سے کچھ فاصلے پر کاؤچ پر بیٹھی تھی، جبکہ ہشام میری گود میں سر رکھے لیٹا تھا۔ اس کی ساری توجہ ٹی وی کی جانب تھی۔

"آپ مما کو مس کر رہی ہو؟" میں نے استفسار کیا۔ اس کی آنکھیں بھی بھیگی بھیگی سی لگ رہی تھیں۔ حالانکہ میرا خیال تھا عفیرہ جس قدر سخت گیر ہے، بچے اس کی غیر موجودگی میں بہت اچھا محسوس کریں گے مگر میرا

خیال غلط ثابت ہوا تھا۔ دریہ نے میری بات کے جواب میں اثبات میں گردن ہلا کر ثابت کر دیا تھا کہ ماں، ماں ہی ہوتی ہے۔

"ادھر آؤ۔۔ یہاں میرے پاس۔۔" میں نے اسے پکارا۔ وہ اٹھ کر دو قدم چلی اور میرے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ ہشام بھی فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"آپ روئی ہو دریہ؟" میں نے اس کی سرخ آنکھیں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ وہ کچھ نہیں بولی مگر آنسو اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ وہ میری توقعات کے برعکس بی ہیو کر رہی تھی۔ میرا خیال تھا وہ عفیرہ کو بہت کم یاد کرے گی، جبکہ ہشام مجھے اس معاملے میں زیادہ تنگ کرے گا مگر فی الحال ہشام نے عفیرہ کا نام بھی نہیں لیا تھا۔ اب بھی دریہ کو روتا دیکھ کر وہ سر جھکا کر بیٹھ گیا تھا یعنی خود کو افسردہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ارے جان۔۔ گڑیا! اس میں رونے والی کیا بات ہے۔۔ آپ تو میرے اتنے بہادر بچے ہو۔"

میں نے اسے اپنے قریب کر کے سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔ ہر گزرتا لمحہ مجھے عفیرہ سے مزید متنفر کرتا جا رہا تھا۔

"بابا! مما وہاں بہت اکیلی ہوں گی نا۔۔ وہ تو پانی بھی رانی کے ہاتھ سے لے کر پیتی ہیں بابا۔۔ وہاں انہیں پیاس لگے گی تو انہیں پانی کون پلائے گا۔۔ تائی جان (نازیہ بھابھی) بھی کہہ رہی تھیں کہ دریہ! تمہاری مما تو ملازمہ کے بغیر سانس بھی نہیں لے سکتیں۔۔ بابا! مما، رانی (ملازمہ) کو بھی اپنے ساتھ لے جاتیں۔ انہیں وہاں مشکل لگے گا نا؟"

دریہ میرے سینے سے لگی روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ مجھے اس پر پہلے سے زیادہ پیار آیا۔ میری بیٹی کی معصوم فطرت اسے عجیب وغریب باتوں کے لیے پریشان کر رہی تھی۔ نازیہ بھابھی نے نجانے اسے مزید کیا کچھ کہا

تھا۔

"توبہ۔۔ یہ عورتیں۔" میں نے انہیں دل ہی دل میں کوستے ہوئے دریہ کو خود سے علیحدہ کیا۔

"اچھے بچے کبھی نہیں روتے۔" میں نے اسے سمجھانا چاہا۔

"میں تو کبھی بھی نہیں روتا۔۔ کبھی بھی نہیں۔۔ ہے نا بابا!" ہشام نے بھی فوراً اپنی شان میں قصیدہ پڑھنا ضروری سمجھا۔

"جھوٹے۔۔ میری برتھ ڈے پر جب تم چیئر سے گر گئے تھے تو پھر تم کتنا روئے تھے۔۔ بابا نے تمہاری مووی بھی بنائی تھی۔۔ اس میں تم بالکل بھالو لگ رہے ہو۔"

دریہ نے ہاتھ سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے بھائی کو تڑخ کر جواب دیا۔

"میں بھالو نہیں ہوں۔۔ تم بھالو ہو۔۔ ہے نا بابا!" ہشام نے اپنے مخصوص انداز میں میرے چہرے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

"بری بات بیٹا! ایسے نہیں کہتے۔" میں نے ان دونوں کو ایک ساتھ نصیحت کی تھی اور ساتھ ہی مجھے حیرت سی ہوئی۔ عفیرہ کی موجودگی میں بچوں کو نصیحتیں کرنے والے کام وہی کیا کرتی تھی اور بہت سخت انداز میں کیا کرتی تھی۔

"بابا! میری برتھ ڈے کی مووی دیکھیں؟"

دریہ نے فرمائش کی۔ میں نے وال کلاک کی جانب دیکھا۔ اگرچہ کل اتوار تھا، مگر پھر بھی بچوں کا ٹائم پر سونا ضروری تھا اور مووی دیکھنے کی صورت میں وہ یقیناً دیر سے بیدار ہوتے۔ ابھی تو ہم نے رات کا کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ میں کچھ دیر شش وپنج میں گھرا رہا۔ بچوں کو کسی بات کے لیے نا کہنا بھی میری عادت نہیں تھی۔ میں بچوں کو سمجھا سکتا تھا کہ ہم کل کسی وقت دریہ کی برتھ ڈے کی مووی دیکھ سکتے تھے، مگر نجانے کیوں میں نے

پلیئر میرے بیڈ روم میں موجود تھا۔ بچوںDvd ایسا نہیں کیا۔ میں بچوں کو لے کر اپنے بیڈ روم میں آ گیا۔
کے ساتھ مووی دیکھتے ہوئے مجھے وقت گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلا نو بجے کے قریب ملازمہ نے دستک دی
تھی۔

"بچوں کے سونے کا ٹائم ہو گیا ہے۔" میرے استفسار پر وہ بولی۔

"تو پھر؟" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"وہ جی بچوں کو بھیج دیں۔ میں انہیں سلا دیتی ہوں۔" وہ میرے انداز پر خجل ہو کر بولی۔

"میں انہیں خود سلا دوں گا۔۔ تم پہلے ہمارے کھانے کے لیے کچھ لے کر آؤ۔" میں حکمیہ انداز میں کہا۔ وہ بے چاری میرے رویے پر حیران ہوتے ہوئے واپس چلی گئی۔ وہ اور اس کا شوہر بہت عرصہ سے ہمارے یہاں کل وقتی ملازم تھے، اس کے لیے صاحب کا رویہ یقیناً نیا تھا۔ چند لمحے گزرنے کے بعد وہ تو نہیں آئی تھی، مگر اس کا شوہر آ گیا۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔۔ نذیراں کہہ رہی تھی صاحب کچھ بیمار لگتے ہیں۔"

ٹنڈ منڈ بالوں والا سر کھجاتے ہوئے اس نے متجسس سے انداز میں پوچھ کر مجھے گویا چڑنے پر مجبور کیا۔

"اوہ بھائی!۔۔ بالکل ٹھیک ہوں میں۔۔ بیڈ روم میں کھانا کھانے کا یہ مطلب نہیں کہ مجھے کوئی بیماری لاحق ہو گئی ہے۔۔ سمجھے، اب جاؤ یہاں سے۔"

میں نے غرا کر کہا۔ نجانے میں کس کا غصہ کس پر نکالنا چاہ رہا تھا مگر یہ حقیقت ہے کہ مجھے اس طرح سے غصہ نکال کر لطف بہت آیا۔ دس پندرہ منٹ بعد دونوں میاں بیوی ایک ساتھ ٹرالی گھسیٹ کر اندر دے گئے تھے ان کا انداز بے حد محتاط تھا۔ وہ بہت شروع سے ہمارے یہاں ملازم تھے۔ ان کے ساتھ میرا رویہ ہمیشہ مشفقانہ ہی رہا تھا شاید اسی لیے آج میرا اکھڑا ہوا رویہ انہیں الجھا رہا تھا۔ میں نے ان کی پروا نہ کرتے ہوئے ٹرالی بیڈ کے

قریب گھسیٹ لی اور ہشام اور دریہ کے ساتھ مل کر کھانا کھانے لگا۔ ابھی ہم مصروف تھے کہ میرے موبائل کی بپ بجنے لگی۔ میں نے اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے سائڈ ٹیبل پر پڑا موبائل دیکھا۔ موبائل کی اسکرین پہ Id کا مونو گرام چمک رہا تھا۔ یہ یقیناً اوورسیز کال تھی۔ اس سے پہلے کہ میں موبائل کان سے with held لگاتا کال منقطع ہو گئی۔ میں نے دوبارہ سے کھانے کی طرف توجہ کر لی مگر چند لمحوں بعد پھر موبائل کی بپ گنگنا اٹھی۔ میں نے بہ عجلت موبائل اٹھایا اور کندھے کا سہارا دے کر کان سے لگا لیا۔

"کیا بات ہے؟ کہاں مصروف ہو، کب سے ملا رہی ہوں۔ گھر میں ہو یا کہیں باہر ہو؟"

عفیرہ کی آواز میری سماعتوں سے ٹکرائی۔ میں نے گہری سانس بھرتے ہوئے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔

"کیسے ہو؟۔۔ بچے کیسے ہیں تمہیں زیادہ تنگ تو نہیں کر رہے؟" میری خاموشی کو خاطر میں نہ لا کر اس نے مزید کچھ سوالات کیے۔ میری اس سے خود ساختہ قسم کی ناراضی چل رہی تھی۔

"بولو نا عباس۔۔! بچے تنگ تو نہیں کر رہے؟" اس نے پھر پوچھا۔ میں نے ٹشو پیپر سے ہاتھ صاف کیے اور بیڈ سے اتر آیا۔ بچوں کی توجہ کھانے اور مووی کی جانب تھی۔

"خدا کی بندی! وہ میرے بچے ہیں اگر مجھے تنگ کر بھی لیں گے تو قیامت نہیں ٹوٹ پڑے گی۔" میں نے دھیمی آواز میں کہا۔ میری پوری کوشش تھی کہ بچوں تک میری آواز نہ پہنچے۔ احتیاطاً میں کھڑکی میں آ کھڑا ہوا۔ عفیرہ چند لمحے کے لیے خاموش ہو گئی پھر بولی۔

"گھر میں ہو؟"

"ہاں۔!" اب کی بار نہایت شرافت سے میں نے مختصر جواب دیا پھر اس کے اگلے سوال کا انتظار کیے بغیر بولا۔

اس نے میری خالی الذہنی کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ وہ ایمسٹرڈیم کے موسم، وفد کی باقی معزز خواتین کی بچکانہ عادتوں اور نیدرلینڈ ہوٹل کی انتظامیہ کے شاندار رویے پر روشنی ڈالنے لگی۔ پھر اس نے مجھے اپنا خیال

رکھنے، بچوں کو پیار دینے کا حکم دے کر فون بند کر دیا۔ مین پہلے ہی بچوں کی خاطر برائے نام کھا رہا تھا اور اب عفیرہ کی آواز سن کر بالکل ہی بھوک اڑ گئی تھی۔ مجھے عفیرہ کی یاد آنے لگی تھی مگر اس کو یاد کرنے کا فائدہ کیا تھا۔ اسے وہاں بیٹھے میرا احساس ہی نہیں تھا اور یہاں اس کی یاد میں مجھے بھوک بھی نہیں لگ رہی تھی۔ آپ نے کبھی کسی سے محبت کی ہو تو آپ کو یقیناً اس قسم کے تجربات کا اتفاق ہوا ہو گا۔ آپ کسی کی قربت کی تڑپ میں مرے جا رہے ہوں مگر اسے آپ کا احساس ہی نہ ہو تو آپ کا دل چاہتا ہے اس شخص کا گلا دبا دیں۔ لیکن آپ میں اس شخص کو سوئی چبھونے جتنی تکلیف دینے کی ہمت بھی نہیں ہوتی میں کم از کم اس قسم کی کیفیات سے بارہا گزر چکا تھا۔

فضا میں اچھی خاصی خنکی تھی مگر میں اندر تک جلا بھنا وہیں کھڑکی میں کھڑا لان میں پچھلی رات کی رانی کی مہک کو محسوس کرتے ہوئے نجانے کیا کیا سوچتا چلا جا رہا تھا۔

عجیب باغیانہ سی روش رگ وپے میں سرایت کر رہی تھی۔ لان میں لگا گل چین کا درخت اور اس کے عقب سے جھانکتا چاندنی کے عشق سے مخمور چاند مجھے ایک انوکھی ترغیب دے رہا تھا۔

"عفیرہ! اگر میں بے وفائی پر اتر آؤں تو تمہیں کیسے پتا چلے گا۔۔؟ اگر میں تمہارا حق کسی اور پر لٹا دوں تو تمہیں کانوں کان خبر نہ ہو سکے گی۔۔ مگر میں۔۔ ایسا کیسے کر سکتا ہوں عفیرہ۔۔ مجھے تم سے محبت ہے عفیرہ! میں تمہاری امانت میں خیانت کیسے کر سکتا ہوں۔"

میں نے سر جھٹک کر خود کو ان سوچ کے دھاروں سے بچانے کی کوشش کی۔ ہشام اور دریہ مجھے آوازیں دے رہے تھے۔

اگلے دن اتوار تھا مگر جاگنگ کی وجہ سے میں چھٹی والے دن بھی علی الصبح بیدار ہونے کا عادی تھا۔ میں جاگنگ سے واپس آیا تو نذیراں جوس لیے موجود تھی۔

"آپا! جوس کا ذائقہ کچھ عجیب سا ہے۔" میں نے پہلا گھونٹ بھرتے ہی برا سا منہ بنا کر کہا۔ ہم سب نذیراں کو آپا کہتے تھے۔

"میں نے تو اسی مشین سے نکالا ہے جی۔۔! جس سے بیگم صاحبہ نکالا کرتی ہیں۔"

وہ اپنی چادر سے ہاتھ پونچھتے ہوئے بولی۔ عفیرہ کو ٹیٹرا پیک ریڈی میڈ جوسز پسند نہیں تھے۔ وہ خود اسٹریس پریس کے ذریعے میرے اور بچوں کے لیے جوس نکالا کرتی تھی۔ آپا کو بچوں کے لیے ناشتہ تیار کرنے کا حکم دے کر میں بددلی سے جوس کے گھونٹ بھرنے لگا۔ ایپل جوس میں عجیب سا ذائقہ محسوس ہو رہا تھا۔ شاید آپا نے نمک کا تناسب ٹھیک نہیں رکھا تھا یا پھر گلے سڑے سیبوں کا جوس نکال کر لے آئی تھیں۔ دراصل یہ ذمہ داری ہمیشہ سے عفیرہ کی رہی تھی۔ پھل، گوشت، سبزی وغیرہ کی خریداری جیسے جھنجھٹوں سے اس نے مجھے ہمیشہ بچائے رکھا تھا اور اب یہ ذمہ داری ڈیڑھ دو ماہ کے لیے مجھے نبھانا تھی۔ جوس ختم کر کے میں نے لان میں ہلکی پھلکی ورزش کی پھر گھر کے اندرونی حصے کی جانب آ گیا۔ شاور لینے کو دل نہیں چاہ رہا تھا چونکہ کوئی ٹوکنے والا نہیں تھا اس لیے میں آرام سے بیڈ روم میں آ کر بستر پر لیٹ گیا۔

گزشتہ رات عفیرہ کو کوستے، یاد کرتے اور کلستے گزر گئی تھی اور اب بھی اسی کی یاد آ رہی تھی۔ میں کچھ دیر بستر پر لیٹا، ٹریک سوٹ میں کروٹیں بدلتا رہا مگر سکون نہیں ملا میں نے گھڑی کی جانب دیکھا ابھی صرف ساڑھے چھ بجے تھے اور بچے چھٹی والے روز قدرے لیٹ اٹھنے کے عادی تھے۔ میں اسٹڈی روم میں آ کر کمپیوٹر کے سامنے بیٹھ گیا۔ ای میلز چیک کیں، کچھ انگریز خواتین سے چیٹنگ کے نام پر ٹامک ٹوئیاں ماریں پھر اس کام

سے بھی اکتا گیا تو کمپیوٹر شٹ ڈاؤن کر کے شاور لینے کے لیے چل دیا۔

واش روم میں صاف تولیہ موجود نہیں تھا، مجھے انتہائی کوفت ہوئی۔ میلے تولیے سے جسم خشک کر کے میں نے جینز اور ڈھیلی سی ٹی شرٹ پہن لی۔ کھلنڈرا سا حلیہ بنا کر مجھے ایک عجیب سا سکون مل رہا تھا۔ بچے بھی بیدار ہو چکے تھے۔ آپا نذیراں کی نسبت بچوں کی آیا زیادہ ذمہ دار عورت تھی مگر وہ جز وقتی ملازمہ تھی اس کے ڈیوٹی آورز صبح سات بجے سے رات سات بجے تک کے تھے۔ بچوں کی آیا ان کے کپڑے تبدیل کر کے انہیں تیار کر چکی تھی۔ پروگرام کے مطابق مجھے آج کا سارا دن غیاث بھائی کے یہاں گزارنا تھا۔ ابھی ہم ناشتے کی ٹیبل پر موجود تھے کہ رانی (آپا نذیراں کی بیٹی) نے مجھے کارڈلیس تھما دیا۔ دوسری جانب ولید بھائی تھے۔

"کیسے ہو ینگ مین۔۔ بہت مصروف رہنے لگے ہو۔۔ تم سے بات کرنی ہو تو پہلے اپائنمنٹ لینا پڑتی ہے۔"

وہ ہنستے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں کہہ رہے تھے۔

"کیوں شرمندہ کرتے ہیں ولید بھائی۔۔! مجھ بندہ ناچیز کے لیے ایسے کلمات کیوں ادا کر رہے ہیں آپ۔۔ ایسی کیا غلطی ہو گئی مجھ سے۔"

میں نے بھی ہنستے ہوئے کہا۔

"ارے برخوردار۔۔ تم آج کل ہوتے کہاں ہو۔۔ کلینک فون کرو تو وہاں تمہارا زبیری ریکارڈنگ مشین کی طرح بولنے لگتا ہے۔۔ سر تو موجود نہیں ہیں سر!۔۔ آپ کون بات کر رہے ہیں سر!۔۔ کوئی میسیج ہو تو دے دیں سر!" انہوں نے ہو بہو زبیری کی نقل اتاری۔ میں نے قہقہہ لگایا۔

"مجھے معاف کر دیجیئے ولید بھائی! بس آج کل شیڈول کچھ گڑبڑ ہو گیا ہے آپ میرے موبائل پر ٹرائی کر لیتے۔ ۔میرا مطلب ہے کہ اگر کوئی ضروری کام تھا تو۔۔"

"ارے یار! ضروری کام تو نہیں ہے بس وہ تم سے ایک درخواست کی تھی۔۔ نور کافی پریشان ہے، اس کی والدہ دراصل رشتے میں میری بہن ہوتی ہیں ہمارا بہن بھائیوں والا ہی پیار ہے دراصل ان کا کوئی بیٹا نہیں ہے پھر میاں کا بھی انتقال ہو چکا ہے تو ساری ذمہ داری بچی کے سر پر آ جاتی ہے، وہ جلدی گھبرا جاتی ہے۔ تم رضوی کو تو جانتے ہو وہ بوڑھا ہو گیا ہے۔۔ اسے جلدی غصہ آ جاتا ہے۔ میں نے اسی لیے اس سے بات نہیں کی تھی۔۔ وہ ہر بات کو انا کا مسئلہ بنا لیتا ہے تم مجھے بتاؤ کہ کیا پروگریس ہے اگر مسئلہ آؤٹ آف کنٹرول ہے تو کہیں ابراڈ وغیرہ بھی چیک اپ کروایا جا سکتا ہے۔"

انہوں نے ساری بات مختصر اور مناسب لفظوں میں میرے گوش گزار کر دی۔ دولت کی فراوانی نے ان کے انداز کو لاپرواہ بنا دیا تھا۔ وہ مجھ سے دوٹوک اور واضح جواب چاہتے تھے اور ظاہر ہے وہ خود بھی ڈاکٹر تھے۔ میں انہیں ٹال نہیں سکتا تھا۔

"فکر والی کوئی بات نہیں ہے ولید بھائی! آپ سے بہتر کون جانتا ہو گا کہ مریض ڈائی بیٹک ہو تو ایسے مسائل پیدا ہو جایا کرتے ہیں۔۔ انشاءاللہ، اللہ بہتر کرے گا۔۔ آپ بچی کو تسلی دیجیئے۔"

میں نے بھی احتیاط کا دامن چھوڑے بغیر انہیں سمجھانا چاہا۔ مجھے بخوبی سمجھ میں آ رہا تھا کہ وہ کیا جاننا چاہتے ہیں۔ وہ مجھ سے واضح جواب چاہتے تھے کہ آیا میں یہ کیس ہینڈل کر سکتا ہوں یا نہیں اور یہ رضوی صاحب کے لیے ہی نہیں میرے لیے بھی انا کا مسئلہ تھا کہ میں ایک مریض کو کہیں ادھر ادھر جانے کا مشورہ دیتا۔ ولید بھائی میرے انداز سے سمجھ گئے تھے کہ میں انہیں ٹالنا نہیں چاہ رہا مگر ظاہر ہے ہر مریض مکمل صحت یاب ہونے میں کچھ وقت لیتا ہے اور کوئی بھی معالج نسخے کے ساتھ صحتیابی کا یقینی ٹائم نہیں لکھ کر دے سکتا۔ ولید بھائی نے اپنا مدعا بیان کرنے کے بعد دوسری ایک دو باتیں کر کے فون بند کر دیا۔

"نانو کا فون تھا؟" ہشام نے میری جانب دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"نہیں بیٹا! ولید انکل کا فون تھا۔ آپ جلدی سے بریک فاسٹ ختم کیجئے پھر ہمیں سعد بھائی کے گھر بھی جانا ہے۔"

عفیرہ کو گئے تقریباً پندرہ دن ہو چلے تھے اور ان پندرہ دنوں میں مشکل سے ہی سہی مگر پھر بھی ہم ایک روٹین سیٹ کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ اگرچہ عفیرہ کی غیر موجودگی میں مجھے بہت سی گھریلو ذمہ داریاں نبھانا پڑ رہی تھیں۔ خصوصاً ملازمین کو کنٹرول میں رکھنا بہت ہی مشکل کام تھا۔ عفیرہ کی سخت گیری نے ہمارے گھر میں بہت نظم وضبط قائم کر رکھا تھا۔ کسی کی مجال نہیں تھی کہ وہ اپنی ڈیوٹی سے روگردانی کر جاتا، حالانکہ وہ خود بھی کافی سوشل تھی۔ دن کے بارہ گھنٹوں میں سے اکثر اوقات چھ سے دس گھنٹے وہ باہر گزار لیا کرتی تھی مگر پھر بھی اس کی ملازمین پر سپرویژن نہایت اعلا تھی جبکہ میں اس معاملے میں کہیں پیچھے تھا اسی وجہ سے گھر میں ایک بے ترتیبی پھیلنے لگی تھی۔ بچوں کے یونیفارم صفائی سے نہیں دھلتے تھے۔ فریج میں گوشت اور پھل جلدی جلدی ختم ہونے لگے تھے یہاں تک کہ کھانے کا ذائقہ بھی روز بروز کچھ بدلتا جا رہا تھا۔ شاید خانساماں نے عجلت میں پکانا شروع کر دیا تھا۔

ہشام کے پیٹ میں درد تھا وہ کھانا نہیں کھانا چاہ رہا تھا۔ میں نے آپا نذیراں سے اس کے لیے انڈہ ابالنے اور دودھ گرم کرنے کے لیے کہا مگر آدھا گھنٹہ گزر جانے کے بعد بھی جب مطلوبہ چیزیں فراہم نہیں کی گئیں تو مجھے غصہ آ گیا۔ میں ہشام کے بیڈروم میں بیٹھا ہوا تھا جب آپا کی کارکردگی چیک کرنے کے لیے میں لاؤنج میں پہنچا تو عجیب منظر تھا۔ آپا نذیراں، رانی، شادو اور نذیر کے ساتھ لاؤنج میں ٹی وی کے آگے بیٹھی نہایت انہاک

سے نجانے کیا دیکھنے میں مصروف تھی۔ میں دبے پاؤں چلتا ان کے عقب میں جا کھڑا ہوا۔

"اماں! میں اپنی شادی پہ ایسی ساڑھی لوں گی۔" رانی نے اسکرین پہ کسی ساڑھی میں ملبوس خاتون کو دیکھ کر فرمائش کی۔

"موٹو! ساڑھی میں تو بالکل بھینس لگے گی۔۔ ساڑھی تو بس "پریرنا" کو ہی اچھی لگتی ہے۔"

شادو نے بڑی بہن کو لتاڑنے کی کوشش کی۔ غصے سے میرا برا حال ہونے لگا۔ وہ سب لوگ ٹی وی پہ ساڑھیوں کا یہ فیشن شو دیکھنے میں اس قدر مگن تھے کہ مجھ پر کسی کی نظر ہی نہیں پڑی تھی۔ اس سے پہلے کہ میں کھانس کر یا کسی اور طرح انہیں متوجہ کرنے کی کوشش کرتا فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ وہ چاروں فون کی گھنٹی سے نہیں چونکے تھے

مگر میرے آگے بڑھ کر فون ریسیو کرنے والے اقدام نے انہیں چونکا دیا۔

"اس کا والیوم کم کرو۔" میں نے غرا کر کسی کو مخاطب کیے بغیر کہا۔

"عباس صاحب! میں نور العزت بات کر رہی ہوں۔" ایئر پیس سے ابھرنے والی آواز نے مجھے کسی قدر تعجب میں ڈال دیا۔

اس وقت اس کا فون آنا تعجب ہی کی بات تھی۔

"عباس، عباس صاحب! آمی کو نظر آنا بند ہو گیا ہے۔۔ انہیں کچھ نظر نہیں آ رہا۔۔ وہ اندھی ہو گئی ہیں۔۔ میری امی اندھی ہو گئی ہیں۔"

اس کی پریشان سی آواز میری سماعتوں سے ٹکرائی پھر اس نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔ میں خود پریشان ہو گیا تھا۔

"نور۔۔ نور ڈونٹ وری میں آتا ہوں، او کے۔ میں بس ابھی نکلتا ہوں۔"

میں نے اسے دلاسہ دینے کی کوشش کی۔ ایئر پیس سے آتی ٹوں ٹوں کی آواز بتا رہی تھی کہ وہ پہلے ہی فون رکھ چکی ہے۔ میں نے فون رکھ کر لاؤنج میں نظر گھمائی۔ نفری غائب ہو چکی تھی۔ میں بادل نخواستہ دوبارہ آپا نذیراں کو طلب کیا اسے کچھ ضروری ہدایات سخت لہجے میں دیں اور پھر اسی حلیے میں گاڑی کی چابیاں اٹھا کر باہر نکل آیا۔ مجھے اس کے گھر تک پہنچنے میں تقریباً آدھا گھنٹہ لگ گیا تھا۔ وہ دروازے پر ہی منتظر ملی۔ کرتے شلوار میں ملبوس، بکھرے بالوں اور روئی ہوئی آنکھوں کے ساتھ وہ میرے سامنے تھی۔

اس کی امی جنہیں اب میں آنٹی کہنے لگا تھا اپنے بیڈ روم میں بستر پر دراز تھیں، مسکراہٹ آج بھی ان کے چہرے کا احاطہ کیے ہوئے تھی۔

"صبح سے مجھے آنکھوں میں جلن کی شکایت تھی۔۔ پانی بھی نہیں نکل رہا تھا۔۔ اور اب تقریباً دو گھنٹوں سے کچھ بھی صحیح نظر نہیں آ رہا۔۔ ہیولے سے دکھائی دے رہے ہیں، مگر پہچان نہیں ہو رہی۔"

انہوں نے میرے استفسار پر دھیمے لہجے میں بتایا۔ ان کی بات ابھی ختم ہوئی تھی کہ نور العزت نے رونا شروع کر دیا۔ میں نے کسی قدر ناگواری سے اس کی جانب دیکھا۔ وہ بالکل بچوں کی طرح بی ہیو کر رہی تھی۔

"میں آپ کی آنکھوں میں آئی ڈراپس ڈالتا ہوں۔۔ اس کے بعد دیکھتے ہیں کیا رزلٹس آتے ہیں۔"

میں نے آنٹی کے بے تاثر آنکھوں کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ ان کی آنکھوں میں دوائی ڈال کر میں اس کی جانب متوجہ ہوا۔ وہ اپنی آنکھیں ہاتھ کی پشت سے صاف کر رہی تھی۔

"پندرہ منٹ انتظار کر لیجئے۔ سب بہتر ہو جائے گا۔" میں نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ اس نے نظر اٹھا کر میری طرف دیکھا اور میری بات کا یقین کرنے کی بجائے پھر رونا شروع کر دیا۔

"میری امی کو ٹھیک کر دیجئے۔۔ پلیز! میری کو ٹھیک کر دیجئے۔"

اس نے یکدم میرے کندھے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھوں سے بہتے اشک

میری ٹی شرٹ بھگونے لگے۔ اس کے ہاتھ میرے کندھے پر اور اس کا سر اس کے ہاتھوں پر دھرا تھا۔ وہ میرے اتنے قریب کھڑی تھی کہ میں ہاتھ بڑھا کر اس کے سلکی بالوں کی نرمی کو محسوس کر سکتا تھا۔ میرا دل چاہا میں اس کے الجھے بالوں میں انگلیاں چلا کر اسے تسلی دوں، مگر میں نے بدقت خود کو سنبھالتے ہوئے اسے خود سے علیحدہ کیا اور آنٹی کے بستر کے قریب پڑی کرسی پر بٹھا دیا۔

"ریلیکس۔۔ ابھی سب ٹھیک ہو جائے گا۔۔ آپ حوصلہ رکھیے۔"

میرا دل جانتا تھا میں نے یہ الفاظ کیسے ادا کیے۔ نجانے اندر کیسی اتھل پتھل ہو رہی تھی، نور العزت کو غم کی کیفیت نے ہوش و حواس سے بیگانہ کر دیا تھا مگر مجھے کیا چیز اپنے آپ سے غافل کر رہی تھی۔ مجھے خود سمجھ میں نہیں آیا۔

اسے بٹھا کر میں نے دوسری کرسی گھسیٹی اور اس پر جم کر بیٹھ گیا۔ سائڈ ٹیبل سے پانی کا گلاس اٹھایا اور پھر اسے تھماتے ہوئے بولا۔

"آپ بہت قنوطیت پسند ہیں۔" اس نے روئی روئی آنکھوں سے میری جانب دیکھا اور پھر سے نظریں جھکا کر ہاتھ میں پکڑے گلاس کو تکنے لگی۔

"جب لاسٹ ٹائم آپ میرے کلینک پر آئی تھیں میں نے تب بھی آپ کو سمجھایا تھا کہ مریض کے سامنے اعصاب کو کنٹرول میں رکھنا بہت۔۔ بہت ضروری ہوتا ہے۔۔

مگر آپ، آپ۔"

میں اسے سمجھا رہا تھا اور شاید درپردہ خود کو بھی کہ فی الحال میرے اپنے اعصاب کچھ آؤٹ آف کنٹرول ہو چلے تھے۔

"آنٹی کو مکمل نظر آنا بند نہیں ہوا۔۔ انہیں جو مسئلہ درپیش ہے اس کے باعث یہ کوئی ایسی انہونی بات نہیں۔

۔وہ بہت کمزور ہیں اور کمزوری کے باعث بھی یہ سب ہو سکتا ہے۔۔آپ مجھے کچھ وقت تو دیجئے۔۔میں نے انہیں ڈراپس دیے ہیں۔۔چند لمحوں بعد صورت حال واضح ہو جائے گی۔" میں نے اس کی جانب دیکھنے سے گریز کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کو کتنا وقت درکار ہے۔ گزشتہ دو ہفتے سے میں آپ کے پاس آ رہی ہوں، مگر ابھی تک آرام نہیں آیا وہی کنڈیشن ہے جو رضوی صاحب کے پاس تھی۔۔ایک زمانہ آپ کی تعریف کرتا ہے۔۔نجانے کیوں کرتا ہے؟"

وہ آنکھوں کو سختی سے رگڑ کر صاف کرتے ہوئے صاف گوئی سے بولی۔ میں اپنے پاؤں کی جانب دیکھ رہا تھا، وہ کسی ناراض بچی کی طرح منہ پھلائے کہہ رہی تھی۔ مجھے اس کا انداز برا لگا کیونکہ میں اس کی والدہ کو اپنے حساب سے بہترین ٹریٹمنٹ فراہم کر رہا تھا۔ مگر نور االعزت نے محض ایک فقرے سے میری ساری محنت کو بھلا دیا تھا لیکن اس سے کچھ کہنے کے بجائے میں خاموشی سے آنٹی کی جانب تکتا رہا۔ میں ان کا معالج تھا ان کے مریض سے بخوبی آگاہ تھا۔ وہ بہت تیزی سے صحت یاب ہو رہی تھیں حالیہ اسٹروک میرے اندازے کے مطابق صرف کمزوری اور لو بلڈ پریشر کے باعث تھا۔ نور العزت اس وقت جس کیفیت میں تھی وہ میری بات سمجھ ہی نہیں سکتی تھی۔

"پندرہ منٹ گزرنے میں اتنا وقت لگ گیا گویا پندرہ سال، میں نے آنٹی کو تکیے کے سہارے بٹھایا اور پھر ان کی آنکھوں کا چیک اپ کرنے میں مصروف ہو گیا۔ میں نے آنٹی سے مزید کوئی سوال نہیں پوچھا۔ کیونکہ میں جانتا تھا۔ وہ ابھی بھی ٹھیک سے دیکھ نہیں پا رہیں جو دوائی میں نے ان کی آنکھوں میں ڈالی تھی، اس کی وجہ سے وقتی طور پر واضح نظر آنا بند ہو جاتا ہے۔

مکمل آلات کے بغیر میں چیک اپ کرنے کے قابل نہیں تھا مگر پھر بھی جو کچھ میں ساتھ لایا تھا ان کی مدد سے

میں نے دیکھ لیا تھا اور میں مطمئن تھا کیونکہ میرا اندازہ درست تھا۔ ان کی حالت کمزوری کے باعث ہوئی تھی۔ میں نے ان کا بلڈ پریشر چیک کیا جو کافی لو تھا۔

"آپ پراپر ڈائٹ نہیں لیں گی تو پرابلم مزید بڑھ جائے گا۔۔جوسز کا استعمال ضرور کیجئے اور پلیز دوا کا ناغہ نہیں کرنا، مجھے یقین ہے آپ نے آج پورے دن میں کسی ایک وقت میڈیسن نہیں لی اور تب ہی یہ مسئلہ پیدا ہوا ہے۔"

نور العزت کو قطعاً نظر انداز کرتے ہوئے میں ان سے مخاطب تھا۔

"ایسا ممکن ہی نہیں ہے۔۔میں خود امی کی میڈیسن کا دھیان رکھتی ہوں اور وقت پر انہیں دیتی بھی ہوں۔"

وہ میری طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی، مگر پھر بھی میں نے اس سے کچھ کہنے کے بجائے اپنی توجہ آنٹی کی طرف مبذول رکھی۔

"آج دوپہر کے وقت میں نے دوائی نہیں لی نوری! میں تب سو رہی تھی اور تم شاید گھر سے باہر تھیں۔"

وہ خلا میں تکتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ میں نے اب کی بار نور العزت کی جانب دیکھا شاید اسے بھی یاد آ گیا تھا کہ جیسے وہ میری کوتاہی سمجھ رہی تھی وہ دراصل خود اس کی اپنی غلطی تھی۔ میں نے آنٹی کو انجکشن دیا اور پھر انہیں کچھ ضروری ہدایات دے کر اٹھ کھڑا ہوا۔

میں نے اسے مخاطب کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ میں اس گھر میں کئی مرتبہ آ چکا تھا اس لیے راستوں کی بخوبی پہچان تھی۔ میں نے اپنی چیزیں اٹھائیں اور گیٹ کی جانب چل دیا۔

"کبھی کبھی بلڈ پریشر کی کمی بیشی کے باعث آنکھوں کے پٹھے کسی قدر دباؤ کا شکار ہونے لگتے ہیں، جس کی وجہ سے لمحاتی طور پر واضح انداز میں نظر آنا بند ہو جاتا ہے، لیکن اس یہ مطلب نہیں ہوتا کہ مریض خدانخواستہ بینائی سے محروم ہو چکا ہے۔"

میں نے گیٹ کے قریب پہنچ کر اسے سمجھائے والے انداز میں کہا۔ وہ میری طرف دیکھنے سے احتراز برت رہی تھی۔

"آپ کی والدہ کے ساتھ بھی یہی پرابلم ہے۔۔ آپ بخوبی جانتی ہیں کہ ان کا مسئلہ صرف آنکھوں کی کمزوری نہیں ہے۔۔ انہیں کچھ دوسرے مسائل بھی لاحق ہیں۔ بہت کمزور ہیں وہ۔۔ بلڈ پریشر بھی نارمل نہیں رہتا

اور شوگر لیول بھی انڈر کنٹرول نہیں ہے، انہیں ڈپریشن بھی ہو سکتا ہے۔۔ جس کہ وجہ سے وہ کلی طور پر صحت یاب نہیں ہو پا رہی ہیں۔۔ مریض کی مکمل صحت یابی کے لیے اچھا معالج ہی نہیں، اچھا تیماردار بھی ضروری ہے۔۔ اور ایک اور بات۔۔" میں یکدم خاموش ہوا اور بغور اس کی جانب دیکھا۔

"جب کسی کو بھروسے کے قابل سمجھتے ہیں تو اس پر بھروسا بھی کرتے ہیں۔۔ امید ہے آپ میری بات سمجھ رہی ہوں گی۔"

اس نے نظریں میری جانب کیں مگر منہ سے کچھ نہیں بولی، اس کی آنکھوں میں جو تاثر ابھرا تھا اس نے مجھے مسکرانے پر مجبور کر دیا۔ کسی کسی نگاہ میں شرمندگی بھی کس قدر دلفریب لگتی ہے۔

"سی یو ٹو مارو۔" میں نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس سے کہا۔

"آئی ایم سوری!" موبائل کان سے لگاتے ہی اس کی آواز سماعتوں سے ٹکرائی اس کا نمبر تو میں پہلے ہی پہچان چکا تھا۔

"سوری فار واٹ؟" میں نے شگفتہ سے لہجے میں استفسار کیا۔ موسم بہت دن کے بعد بہت خوشگوار ہوا تھا اور

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

اس کا ڈائریکٹ اثر میرے مزاج پر ہوا تھا۔

"میں گزشتہ رات کے لیے معذرت خواہ ہوں۔۔ آپ میری ایک فون کال پر دوڑے چلے آئے اور میں نے ۔۔" وہ بہت رک رک کر بول رہی تھی۔

"ارے بی بی! آپ کن تکلفات میں پڑ گئی ہیں۔ آپ کا رویہ بہت فطری تھا۔ یقین کیجئے میں نے قطعاً مائنڈ نہیں کیا۔"

میں نے سابقہ انداز میں اس کی تسلی کرانی چاہی، مگر شاید میں اپنی کوشش میں ناکام رہا تھا تب ہی وہ میری بات کا اثر لیے بغیر بولی۔

"مجھے افسوس ہے میں نے اس طرح سے بی ہیو کیا۔۔ میں کیا کرتی۔ امی کی طبیعت ذرا سی بھی خراب ہوتی تو میرے حواس کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں، بس اسی لیے۔۔"

"پلیز نور العزت! جانے بھی دیجئے۔۔ اس قسم کی فارمل گفتگو سوٹ نہیں کرتی آپ کو۔" میں نے بشاشت سے کہا۔

"امی اب بالکل ٹھیک ہیں۔۔ تھینکس گاڈ۔" ایک سیکنڈ خاموشی کے بعد وہ دوبارہ بولی۔

"چلیے یہ تو اچھی خبر سنائی آپ نے۔" میں نے گھڑی کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ مجھے آج ہاسپٹل نہیں جانا تھا کیونکہ آج میرا ریسٹ تھا مگر ڈیڈی کی طرف جانے کا پروگرام تھا۔ عفیرہ کی غیر موجودگی میں مجھے ایک بار بھی ان کے یہاں جانے اور ان کی خیریت دریافت کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔

"جی۔۔ وہ۔۔ آج کی تاریخ میں، میرا مطلب ہے میں چاہ رہی تھی، آپ ایک بار پھر سے امی کا چیک اپ کر لیجئے۔۔ مجھے نجانے کیوں تسلی نہیں ہوتی۔"

وہ درخواست گزاری سے چور لہجے میں استدعا کر رہی تھی۔

"اوہ شیور۔۔وائی ناٹ۔۔ابھی ساڑھے دس ہو رہے ہیں۔میں گیارہ کے قریب گھر سے نکلوں گا۔۔ اس کے بعد ایک ضروری کام نبٹا کر میں آپ کے یہاں چکر لگا لیتا ہوں۔"

میں نے سہولت سے ٹائم ٹیبل سیٹ کرتے ہوئے کہا اور پھر حیرت انگیز طور پر میں گیارہ بجے سے بھی پہلے تیار ہو کر گھر سے نکل کھڑا ہوا۔

"عفیرہ! مجھے لگتا ہے تمہاری غیر موجودگی نے مجھے پنکچوئل بنا دیا ہے۔"

ڈرائیونگ کے دوران میں نے عفیرہ کو یاد کرتے ہوئے خود کلامی کی اور اسی لمحے مجھے احساس ہوا کہ میں تقریباً چوبیس گھنٹے بعد عفیرہ کو یاد کیا ہے۔یہ شاید گزشتہ بارہ سالوں میں پہلی مرتبہ ہوا تھا کہ مجھے عفیرہ کی یاد اتنے عرصہ بعد آئی تھی ورنہ تو اس کا احساس ہر لمحہ میرے ساتھ ہوتا تھا مگر ایسا کیوں ہو رہا تھا کہ میں عفیرہ کو چوبیس گھنٹے بعد یاد کر رہا تھا اور پھر بھی کوئی خوش کن خیال میرے ذہن و دل کے دریچے میں روشن دیا بن کر نہیں چمکا تھا۔میں نے عفیرہ کے خیال سے دامن چھڑایا مجھے نورالعزت کے گھر پہنچنے کی جلدی تھی۔

پہلے میں ڈیڈی کے گھر گیا۔میرے والدین کی وفات کے بعد عفیرہ کے والدین ہی میرے لیے سب سے معتبر ہستی تھے۔گزشتہ سال عفیرہ کی ممی کا انتقال ہو گیا تھا

اور اب ڈیڈی ہی اتنے بڑے گھر میں اکیلے رہتے تھے، حالانکہ میں چاہتا تھا۔وہ میرے ساتھ میرے گھر پہ آ کر رہیں مگر انہیں یہ مناسب نہیں لگتا تھا۔اسی لیے عفیرہ ہر دس پندرہ دن بعد آ کر ان کے یہاں کے بہت سے کام نمٹا جایا کرتی تھی اور نہیں تو کم از کم ملازموں کو اپنی ذمہ داریاں نبھانے کا احساس ضرور دلا جاتی تھی۔

ڈیڈی کے یہاں تقریباً مجھے آدھا گھنٹہ لگ گیا۔وہ مجھ سے کچھ خفا خفا سے تھے۔

"میں بچوں کو بہت مس کر رہا ہوں۔۔پچھلی بار تمہیں تاکید کی تھی کہ دریہ اور ہشام کو ایک آدھ دن کے لیے یہاں چھوڑ دو۔۔ارے بچے تو بچے ہوتے ہیں۔۔بڈھے نانو سے ملنا انہیں اچھا لگتا ہے۔۔مگر تمہیں فرصت ہی

کب ہے ایک تم مصروف۔۔ایک تمہاری بیوی مصروف۔۔انوکھے ڈھب سے پرورش کر رہے ہو تم لوگ۔۔ وہ محترمہ پردیس سدھار گئیں اور یہاں تمہاری اپنی مصروفیات ختم نہیں ہوتیں۔"

وہ محبت بھرے لہجے میں شکوہ کر رہے تھے۔

"بس آخری بار میری معذرت قبول کر لیجیے۔۔اگلی بار خود آؤں یا نہ آؤں، مگر بچوں کو بھجوانا نہیں بھولوں گا۔"

میں نے ان کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر معذرت کی۔ڈیڈی بھی عفیرہ کے ایمسٹرڈیم جانے والے اقدام سے زیادہ خوش دکھائی نہیں دیتے تھے مگر میں ان کے سامنے عفیرہ کے رویے کے متعلق شکوہ کرتا تو وہ الٹا مجھے سمجھانے لگتے کہ اس زمانے میں مرد کو بہت براڈ مائنڈڈ ہونا چاہیے وغیرہ وغیرہ۔بہر حال ان کے یہاں سے اٹھا تو اطہر کا فون آ گیا۔اس کی ساس علیل تھیں اور وہ چاہ رہا تھا کہ میں اس کے ساتھ جا کر انہیں دیکھ لوں۔ڈیڈی کے گھر سے میں سیدھا اطہر کی طرف چلا گیا اور پھر وہاں سے اس کے سسرال جانا پڑا۔وہاں تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ لگا۔

فراغت ملی تو سکون کا سانس لیا مگر ابھی میں ماڈل ٹاؤن کے علاقے میں ہی گھوم رہا تھا کہ زبیری کا فون آ گیا۔

"سر! آج ذرا جلدی کلینک آ جائیے گا۔۔ایک اچھی فارماسوٹیکل کمپنی کے ریپریزینٹو آپ سے ڈیل کرنا چاہتے ہیں۔"

اس نے چھوٹتے ہی کہا اور مجھے نجانے کیوں غصہ آ گیا۔

"حد ہو گئی۔۔آج میرا ریسٹ تھا مگر صبح سے سکون کا ایک لمحہ نصیب نہیں ہوا۔۔ارے مجھے کیا مشین سمجھ لیا ہے تم لوگوں نے۔۔میں جلدی نہیں آ سکتا۔"

میں نے بھڑکتے ہوئے کہا۔زبیری بہت وفادار و جان نثار قسم کا بندہ تھا اور میرے غصے کو خندہ پیشانی سے برداشت بھی کر لیتا تھا۔اسی لیے اس نے۔

"یس سر!" کہتے ہوئے فون بند کر دیا۔ مجھے بے پناہ کوفت کا احساس ہوا۔

"وہ اپنے گھر میں کب سے میرا انتظار کر رہی ہو گی۔"

میں نے دل ہی دل میں خود سے کہا اور بری طرح چونک گیا۔ وجود پر عجیب سی بیزاری و بے چینی کی وجہ خود بخود سمجھ میں آنے لگی تھی۔ مجھے نورالعزت سے ملنے کی جلدی تھی۔۔ مگر کیوں۔۔ مجھے اس سے ملنے کی جلدی کیوں تھی؟ فی الحال میرے پاس اس سوال کا جواب نہیں تھا۔ میں عجیب سی کیفیت میں گھر کر اس کے گھر کی جانب ڈرائیو کرنے لگا۔

کیمپس روڈ پر پہنچا تو بارش شروع ہو گئی۔ بادلوں سے ڈھکا سرمئی آسمان تو مجھے ہمیشہ اپیل کرتا تھا مگر بارش سے مجھے سخت چڑ تھی۔ ابھی میں بارش کو کوسنے میں مصروف تھا کہ گاڑی ایک جھٹکا لے کر عین سڑک کے بیچ داغ مفارقت دے گئی "لاحول ولا قوہ" میں نے اسٹیئرنگ پہ ہاتھ مارا۔۔

کچھ روز قبل حالانکہ میں محترمہ کی ٹھیک ٹھاک خدمت کروا چکا تھا مگر پھر بھی میرے مکینک کا کہنا تھا کہ۔

"عباس صاحب! ہن تسی نوی گڈی خرید ہی لو۔(اب آپ نئی گاڑی خرید ہی لیں)

میں کچھ دیر گاڑی میں بیٹھا بڑبڑ کرتا رہا۔ پھر تھک ہار کر باہر نکل آیا۔ بارش کی وجہ سے پیدل چلنے والا تو کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے گاڑی لاک کی اور پھر کن من کرتیں بوندوں کی معیت میں پیدل ہی نکل کھڑا ہوا۔ آج کا دن ہی برا تھا۔ ہر چیز میری توقع سے ہٹ کر ہوئی تھی۔ رکشہ تو رکشہ کوئی لوکل وین بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی کہ میں ان برستی بوندوں سے خود کو بچانے کی سعی کرتا نتیجتاً بیس منٹ کی واک کے بعد جب میں نورالعزت کے گھر پہنچا تو بھیگا ہوا بطخ لگ رہا تھا۔

"آپ کو ہماری وجہ سے ہمیشہ زحمت اٹھانا پڑتی ہے۔" اس نے میری حالت دیکھ کر شرمندگی سے چور لہجے میں کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

"جی۔۔ اس میں تو کوئی شک نہیں۔۔ درست فرما رہی ہیں آپ۔"

میں نے اپنی کوفت کو مروت کے لبادے می چھپائے بغیر کہہ ڈالا۔ اسے شاید اس قدر دوٹوک جواب کی توقع نہیں تھی۔ اس کے چہرے کے تاثرات کسی قدر بدلے، اب وہ پہلے سے بھی زیادہ شرمندہ دکھائی دے رہی تھی۔

"مجھے بہت شرمندگی ہو رہی ہے۔" اس نے میری بھیگی ہوئی قمیض کو تاسف بھری نظر سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"چلیے پھر آپ یہاں کھڑی ہو کر شرمندہ ہوئیے۔۔ میں اتنی دیر میں آنٹی کا چیک اپ کر لیتا ہوں۔"

میں اسے حیران پریشان چھوڑ کر اطمینان سے اندر کی جانب چل دیا۔

آنٹی اب بالکل ٹھیک لگ رہی تھیں اور بقول ان کے وہ ہر چیز واضح انداز میں دیکھنے کے قابل تھیں۔ مجھ سے زیادہ خود اپنی حالت کے بارے میں مطمئن دکھائی دے رہی تھیں۔

میں نے پہلے کی طرح ان کی آنکھیں، بلڈ پریشر اور شوگر لیول چیک کر لیا، باقی سب نارمل تھا مگر شوگر لیول ہائی ہو رہا تھا۔

"آپ چائے میں کتنے چمچ چینی لیتی ہیں؟" میں نے اپریٹس کو دوبارہ کور میں رکھتے ہوئے مسکرا کر پوچھا۔

"نوری موجود ہو تو آدھ چمچ اور اگر موجود نہ ہو تو پھر تین چمچ۔" انہوں نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔ نورالعزت کمرے میں موجود نہیں تھی۔

"ارے یہ تو بہت زیادہ ہے۔۔ میں نے تو آپ کو آدھ چمچ بھی تجویز نہیں کیا تھا۔"

"آپ ہی سمجھائیے انہیں۔۔ میری بات تو سنتی نہیں ہیں۔"

اسی دوران نورالعزت نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔ نجانے کیوں مجھے ایک دم ہنسی آ گئی، حالانکہ بات کچھ بھی نہیں تھی مگر پھر بھی میں ہنس دیا، کیونکہ یہ پہلی بات تھی جو نورالعزت نے شرمندہ ہوئے بغیر مجھ سے

کہی تھی۔ وہ شاید اپنے گزشتہ رات والے رویے کا ازالہ کرنا چاہ رہی تھی میں آنٹی کو سمجھانے لگا۔ وہ بلا کی بذلہ سنج انسان تھیں بیماری نے ان کے حواس کو اتنا متاثر نہیں کیا تھا کہ وہ ہنسنا، بولنا ہی بھول جاتیں اور ان کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرتے ہوئے مجھے احساس ہوا تھا کہ ان کی نسبت ان کی دختر نیک اختر کسی قدر ڈل اور خاموش طبع قسم کی لڑکی ہے، جو بے تحاشا مسکراتی ضرور ہے مگر اس مسکراہٹ میں بھی بہت سے راز پنہاں لگتے ہیں۔

ملازمہ نے کھانا لگنے کی اطلاع دی تو میں نے چونک کر گھڑی دیکھی۔ دو بج رہے تھے۔ وقت یقیناً کھانے کا تھا مگر اس طرح کسی کے گھر کھانا کھانے بیٹھ جانا مجھے قطعاً مناسب نہیں لگ رہا تھا لیکن ان کے اصرار پر مجھے کھانے کے لیے رکنا پڑا۔ آنٹی کو کھانا کھلانے کی ذمہ داری ملازمہ کی تھی انہوں نے مجھ سے معذرت کر لی۔

"یقین کیجئے میں بہت شرمندہ ہو رہا ہوں۔" ڈائننگ ٹیبل پر موجود تین چار ڈشز کو دیکھ کر میں نے کہا۔ نور العزت نے میری جانب دیکھا۔ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں کے کنارے سے پھسل کر تھوڑی پر آ ٹکی۔

"چلیے پھر آپ پہلے شرمندہ ہو لیجئے۔۔ کھانا تو ہم بعد میں بھی کھا سکتے ہیں۔"

اس نے بالکل اسی انداز میں کہا جس انداز میں، میں نے اس سے کہا تھا۔ میں اپنا چہرہ نہیں دیکھ سکتا تھا مگر مجھے احساس تھا کہ ایک لمحے کے لیے میں بھی اتنا ہی ہونق لگا تھا، جتنا کہ وہ میری بات سن کر لگی تھی۔ یہ صرف ایک لمحے کا کھیل تھا۔ اس کے بعد میرے لبوں سے ٹھیک ٹھاک قہقہہ ابلا تھا۔

"عباس! ہمارا وزٹ طویل ہو گیا ہے۔۔ ایمسٹرڈیم سے اب ٹورنٹو کا پلان ہے۔۔ آئی سوئیر میں نے بہت منع

کیا مگر مسز آفاق کو آمادہ کرنا بہت مشکل کام ہے۔۔ مجھے مزید ایک مہینہ لگ جائے گا۔"

عفیرہ کی واپسی میں جب بمشکل کچھ ہی دن رہ گئے تھے تو اس نے فون پر مجھے یہ اطلاع دی۔ اس کا انداز کسی قدر شرمندگی کا تاثر لیے ہوئے تھا حالانکہ حیرت انگیز طور پر مجھے اس کی بات سن کر غصہ نہیں آیا اگرچہ وہ گزشتہ تین ماہ سے ہالینڈ میں تھی۔

"ڈونٹ وری یار۔۔ آئی ول مینیج، تم اطمینان سے اپنا ٹور مکمل کرو۔"

میں نے خوشگوار لہجے میں کہتے ہوئے اسے مطمئن کرنے کی کوشش کی اور وہ مطمئن ہو بھی گئی تھی مگر ڈیڈی یہ بات سن کر کافی خفا ہوئے۔

"عفیرہ کبھی کبھی حد کر دیتی ہے۔ اور پھر اس نے کہا تم نے فوراً مان لیا۔۔ تمہاری ہماری خیر ہے مگر بچے تو اس کے اپنے ہیں۔۔ ان کی حالت دیکھ رہے ہو تم۔۔ دونوں کس قدر مرجھائے ہوئے لگ رہے ہیں۔۔ تم عفیرہ کو فون کرو اور اس سے کہو اپنی دکانداری ختم کرے اور گھر واپس آئے۔"

انہوں نے خفگی سے کہا۔ ان کے انداز نے مجھے مسکرانے پر مجبور کر دیا وہ جب بھی میرے سامنے عفیرہ کے کسی اقدام پر برملا ناراضی کا اظہار کرتے تھے تو مجھے بہت اچھے لگتے تھے۔

"آپ فکر مت کیجئے ڈیڈی۔۔! ایک آدھ مہینہ پلک جھپکتے میں گزر جائے گا۔"

میں نے ان کی خفگی دور کرنے کے لیے بشاشت سے کہا مگر وہ نجانے کیوں کسی قدر کھوجنے والے انداز میں میری جانب دیکھنے لگے، پھر میرے استفسار پر بولے۔

"میرا خیال تھا تم یہ بات سن کر بھڑک اٹھو گے۔۔ دراصل پرسوں رات میری فون پر عفیرہ سے بات ہوئی تھی۔ اس نے سرسری انداز میں اپنے پروگرام کا ذکر کیا تھا اور میں نے اسے تاکید کی تھی کہ وہ تم سے مشورہ کرے اور میرا خیال تھا کہ تم اسے واپس آنے کے لیے کہو گے۔"

وہ بہت رک رک کر بات کر رہے تھے۔ مجھے پھر سے ہنسی آ گئی بھلا عفیرہ نے پہلے کبھی مجھ سے مشورہ کیا ہے۔

"عباس!۔۔بچے! تم کچھ تبدیل نہیں ہوتے جا رہے؟"

ڈیڈی نے مسکراتے ہوئے کہا مگر میں بے طرح چونک گیا۔

"عباس!۔۔یار تم کچھ تبدیل نہیں ہوتے جا رہے؟"

یہی بات دو روز قبل مجھے اطہر نے بھی کہی تھی۔ دراصل میری کنپٹیوں کے قریب سے بال کچھ سفید ہو گئے تھے جو پہلے تو مجھے برے نہیں لگتے تھے مگر اب مجھے احساس ہونے لگا تھا کہ یہ بال میری شخصیت کے چارم کو گھٹا رہے ہیں، تب ہی میں نے اپنے باربر سے مشورہ کر کے بالوں کو ڈائی کروا لیا تھا اور موسم بدل رہا تھا اسی لیے اس بار میں نے اپنے لیے بہت ٹرینڈی قسم کی شرٹس لیے تھے۔ مجھے وقتاً فوقتاً، میرون، ریڈ، ٹی پنک، پنک، ایپل گرین کلر کے شرٹس میں ملبوس دیکھ کر اطہر کا خیال تھا کہ میں خود کو ینگ اور اسمارٹ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

"تم پہلے ان رنگوں کی شرٹس نہیں پہنتے تھے۔"

اطہر نے کئی بار مسکراتے ہوئے مجھے ٹوکا مگر ساتھ ہی سراہا تھا کہ میں آج کل بہت "اچھا" لگنے لگا ہوں۔ بات بھی دراصل یہی تھی میں آج کل "اچھا" لگنے کے خبط میں مبتلا ہو گیا تھا۔ میرا دل چاہتا تھا میں اپنی اصل عمر سے کم از کم آٹھ دس سال کم نظر آؤں اور یہ ساری "تبدیلیاں" شاید اسی خواہش کی وجہ سے پیدا ہو گئی تھی؟ اب میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ میں اس بات پر غور وخوض کرنے لگتا اسی لیے میں ڈیڈی سے اجازت لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔ میں پہلے ہی لیٹ ہو چکا تھا۔ مجھے گھر جا کر لباس کا انتخاب بھی کرنا تھا اور پھر برٹش کونسل کی طرف جانا تھا جہاں شیکسپیئر کا کوئی ڈرامہ مائم کی طرز پر پیش کیا جا رہا تھا اور مجھے یہ ڈرامہ دیکھنے کے لیے نور العزت نے خاص طور پر مدعو کیا تھا بلکہ خصوصی پاس بھی بھجوایا تھا مجھے شیکسپیئر کے نام سے واقفیت تھی مگر یہ

مائم کیا ہوتا ہے اور اسے کیسے پیش کیا جاتا ہے یہ میں قطعاً نہیں جانتا تھا۔ میرے لیے یہی کافی تھا کہ مجھے نور العزت نے انوائٹ کیا تھا۔ ہماری علیک سلیک اب سلام دعا سے آگے بڑھ چکی تھی۔ وہ اب میری بہت اچھی دوست بن گئی تھی۔

مجھے اس کے ساتھ وقت گزارنا اچھا لگتا تھا۔ وہ نہایت باذوق قسم کی لڑکی تھی، جو بلاشبہ دنیا کے ہر موضوع پر سیر حاصل گفتگو کر سکتی تھی۔ وہ جب کلینک پر آتی تھی تو زبیری اور زاہد بھی اس کی باوقار شخصیت سے متاظر دکھائی دینے لگتے تھے۔ مجھے اس کی معیت میں اتنا بہت سا وقت گزار کر یہ تو بخوبی اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ صرف ذہین وفطین نہیں بلکہ نہایت بااخلاق اور روشن خیال لڑکی ہے۔

میں اس کے ساتھ پہلے بھی ایک پھولوں کی نمائش اور بک فیئر اٹینڈ کر چکا تھا اور آج اس نے مجھے مائم دیکھنے کے لیے بلا لیا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مجھے ڈراموں، کتابوں اور پھولوں کو دیکھنا بہت پسند نہیں تھا، مگر ایک اچھے دوست کے ساتھ وقت گزارنا مجھے اچھا لگتا تھا۔

اپنے باقی دوستوں کے ساتھ میں گلف کھیل سکتا تھا، ولیمہ ڈنر اٹینڈ کر سکتا تھا یا پھر میڈیسن کے گنجلک مسائل ڈسکس کر سکتا تھا مگر نور العزت میری ایک ایسی دوست تھی

جس کے ساتھ میں ہر موضوع ڈسکس کرتا تھا اور جب وہ میری باتوں کو بہت توجہ سے سن کر مجھے مشوروں سے نوازتی تھی تو مجھے اچھا لگتا تھا۔

میں نے آج کی شام کے لیے موسم کی مناسبت سے کھدر کا شلوار سوٹ منتخب کیا تھا اور پھر گھر سے نکلتے ہوئے کندھے پر شال بھی لٹکا لی۔ نذیراں آپا کو حیران اور بچوں کو پیار کرتے ہوئے میں بہت مسرور و مطمئن گھر سے نکلا تھا، نور العزت کے گھر پہنچنے سے پہلے میں نے اس کے لیے پھول بھی لے لیے۔ یہ طے ہوا تھا کہ میں اسے اس کے گھر سے پک کروں گا اور پھر ہم اکٹھے جائیں گے، مگر جب میں اس کے گھر پہنچا تو گیٹ سے اندر

داخل ہوتے ہی مجھے کچھ عجیب وغریب احساسات سے دوچار ہونا پڑا۔ میں نے گاڑی چونکہ باہر ہی کھڑی کر دی تھی اور پھول ہاتھ میں لیے اندر داخل ہوا تھا اسی لیے اندر سے تو مجھے خوش آمدید کہنے کے لیے کوئی باہر نے گویا مجھے ناک چڑھا کر ویلکم کیا تھا۔ میں اس گاڑی کو بخوبی پہچانتا تھا۔ یہ Santro نہیں آیا تھا، مگر سفید گاڑی ولید بھائی کی تھی۔

میں چند لمحے شش وپنج میں وہیں کار پورچ میں کھڑا رہا۔ ولید بھائی کی موجودگی میں نجانے کیوں میرا دل اندر جانے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ نورالعزت کا بوڑھا چوکیدار میری شکل دیکھ رہا تھا۔ میں نے گہری سانس بھری اور پھر پھولوں سمیت دوبارہ اپنی گاڑی میں آکر بیٹھ گیا۔

ساڑھے دس بجے کے قریب جب میں چینج کر کے بستر پر لیٹا، لایعنی سوچوں میں الجھا ہوا تھا تو نورالعزت نے فون کیا اور میں نے اسے اپنے آنے اور پھر واپس چلے جانے کی درست وجہ بتا دی۔

"مگر کیوں؟ اس میں نامناسب کیا تھا؟ میرا مطلب ہے۔"

وہ بات کرتے ہوئے یکدم رک گئی۔ جیسے اسے بھی میری طرح یکدم کوئی عجیب احساس ہوا تھا اور پھر اس نے کچھ بھی کہے بغیر فون بند کر دیا۔ اسے بھی شاید یہ احساس ہو گیا تھا کہ "کچھ" نامناسب ہے۔

"میرا خیال ہے اب عفیرہ کو واپس آجانا چاہیے۔"

غیاث بھائی نے میری جانب دیکھ کر شرارتی انداز میں مسکراتے ہوئے کہا اور میری حالت اس قدر دگرگوں ہو رہی تھی کہ میں مسکرا بھی نہ سکا۔

"کیوں بھائی۔۔بیوی کی بہت یاد آرہی ہے؟" غیاث بھائی نے پھر ٹکڑا لگایا، میں بدقت مسکرایا۔ اب انہیں کیا بتاتا کہ یاد تو آرہی ہے مگر وہ یاد بیوی کی قطعاً نہیں ہے۔ یہ بات تو میں خود اپنے آپ سے برملا نہیں کہہ پا رہا تھا تو بھلا انہیں کیسے کہہ دیتا۔ نازیہ بھابھی بغور میرا چہرہ دیکھ رہی تھیں۔ کاغان کی سرد اور رومانوی فضا بھی ان کی جوڑ توڑ والی طبیعت کو ٹھنڈا نہ کر سکی تھی۔

"میں نے بطور خاص تمہارے بھائی سے کہا تھا کہ عباس کو اپنے کغان (کاغان) نران (ناران) والے پروگرام میں ضرور شامل کریں۔ تمہاری بیوی کو تمہارا احساس ہو نہ ہو ہمیں تمہارا بہت احساس ہے، یہ بیٹھے ہیں بیشک پوچھ لوان سے۔"

نازیہ بھابھی نے اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لیے غیاث بھائی کی طرف اشارہ کیا۔ مجھے آج تک ان کی یہ ادا سمجھ میں نہ آسکی تھی کہ اپنی ہر جائز و ناجائز، ضروری وغیر ضروری بات میں "یہ بیٹھے ہیں پوچھ لوان سے بے شک" کا اضافہ کر کے وہ نجانے کیا ثابت کرنے کی کوشش کرتی تھیں۔ مجھے تو ہمیشہ ان کے منہ سے اضافی جملہ سن کر ساری بات کے مستند نہ ہونے پر مزید شک ہو جایا کرتا تھا۔

غیاث بھائی نے مجھے پہلے اپنے اس ٹور کے متعلق بتا کر اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی تھی، مگر میں نے انکار کر دیا تھا اور اب جب انہوں نے پروگرام فائنل کر کے رسماً مجھے آفر کی تو میں جھٹ سے تیار ہو گیا ان کا چار دن کا پروگرام تھا اور میں پہلے ہی دن اپنے آپ کو اس قدر لاچار و بے بس محسوس کر رہا تھا کہ دل چاہ رہا تھا اڑ کر واپس چلا جاؤں۔ کڑی دھوپ میں گھنے بادل جیسا نورالعزت کا احساس مجھے اس قدر مضبوطی سے اپنے حصار میں لیے ہوئے تھا کہ میں کسی اور چیز میں دلچسپی ہی نہیں لے پا رہا تھا۔ ایبٹ آباد، مری ناران سب جگہوں سے گزر کر یہاں تک پہنچتے ہوئے میں نے ہر لمحہ اسے یاد کیا تھا اور جتنی اس کی یاد گہری تھی، اتنی ہی جھنجلاہٹ بھی تھی۔ میں اسے اس قدر شدت سے یاد کیوں کر رہا تھا۔ میں اس کے احساس سے پیچھا چھڑا ہی نہیں پا رہا

تھا۔ نازیہ بھابھی اور غیاث بھائی سمجھ رہے تھے کہ میں عفیرہ کی یاد میں منہ لٹکا کر بیٹھا ہوا ہوں۔ حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس تھی۔ مجھے عفیرہ کا خیال تو ایک بار بھی نہیں آیا تھا۔

یہ بات میرے لیے بہت پریشان کن تھی۔ نورالعزت جس قدر تیزی سے میرے حواسوں پر چھا رہی تھی، اسی قدر تیزی سے عفیرہ کا سحر مجھ پر سے کم ہو رہا تھا۔

مجھے نورالعزت سے محبت ہو گئی تھی۔ جس دن سے میں نے یہ اعتراف اپنے آپ سے کیا تھا اسی دن سے میں اس حقیقت کو جھٹلانے کی کوشش کر رہا تھا، اگرچہ میری زندگی میں محبت کے نام پر ہونے والا یہ دوسرا حادثہ تھا لیکن اس حادثے نے توڑ پھوڑ میں پہلے حادثے کی سنگینی کو بھی مات دے دی تھی۔ اب صورت حال یہ تھی کہ دل "جاناں جاناں" کی تکرار کر رہا تھا اور دماغ "ناں، ناں" پہ اصرار کر رہا تھا۔

میں اپنے آپ کو عجیب الجھن میں گھرا ہوا محسوس کر رہا تھا اور اسی الجھن سے بچنے کے لیے میں بھائی بھابھی کے ساتھ ان رومان پرور فضاؤں میں آ گیا تھا، لیکن یہاں آ کر بھی سکون نصیب نہیں ہوا تھا۔ میں نورالعزت کو بھول جانا چاہتا تھا مگر شاید یہ میرے لیے ممکن نہیں رہا تھا۔ میں غیاث بھائی کے کمرے سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ غیاث بھائی اور بھابھی ایک کمرے میں، جبکہ میں، دریہ، ہشام، حفصہ اور سعد ایک کمرے میں تھے۔ سارا دن کے سفر کے بعد بچے بستر میں گھسے ٹی وی دیکھنے اور فرنچ فرائز کھانے میں مگن تھے۔ میں کچھ دیر ان کے پاس بیٹھا رہا پھر اکتا کر ٹیرس پر آ گیا۔

ہوٹل کے وسیع و عریض ٹیرس پہ زیادہ لوگ نہیں تھے۔ ہنی مون ٹرپ کو انجوائے کرنے والے اکا دکا جوڑے ٹیرس پر پڑی کرسیوں پہ براجمان سر سے سر جوڑے نجانے کون سے راز و نیاز کرنے میں مصروف تھے۔ میں اکتاہٹ بھری نظر ان پر ڈال کر گرل کے قریب آ کھڑا۔ دور چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں پر بنے جھونپڑا نما مکان اور ان میں روشنی کے جلتے ننھے ننھے دیے بہت خوب صورت لگ رہے تھے۔ آسمان کے لباس پر

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

سنہری تارے ٹکے میں نے بہت مرتبہ دیکھے تھے، مگر زمین کے لبادے پر سنہری موتی دیکھنے کا اتفاق بہت کم ہوا تھا۔ میں پہلے جب کبھی کاغان آیا تھا دن کی روشنی میں آیا تھا اور پھر بیوی بچوں کی معیت میں حظ اٹھانا الگ بات ہوتی ہے اور کسی کی یاد میں گھل کر ارض و سماں میں پنہاں خوب صورتیوں سے لطف کشید کرنا ایک بالکل الگ بات۔

یکایک روشنی کے وہ ننھے چراغ مجھے خود پر ہنستے ہوئے محسوس ہونے لگے، میں نے اپنی چونتیس سالہ زندگی میں ایک سبق سیکھا تھا کہ محبت سے بڑا سیاپا کوئی نہیں۔ ہو جائے تو مصیبت، نہ ہو تو مصیبت اور اگر زندگی میں دوسری بار محبت ہو جائے تو پھر اس سے بڑا خلجان اور کوئی نہیں ہو سکتا اور مجھے اسی خلجان کی سلجھن سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ میں نے اپنا موبائل جیب سے نکال کر ہاتھ میں پکڑ لیا۔ کاغان میں سگنل موصول نہیں ہو رہے تھے۔ موبائل کسی کھلونے کی طرح میرے ہاتھ میں تھا۔ میں نے گہری سانس بھری اور موبائل کو دوبارہ جیب میں رکھ لیا۔ ہوٹل انتظامیہ کی طرف سے ٹیرس پر بھی ایک کارنر میں چھوٹا سا ریسیپشن موجود تھا جو ٹیلی فون بوتھ کا کام بھی دیتا تھا۔ آپریٹر سے لاہور کال ملانے کا کہہ کر میں وہیں بیٹھ کر انتظار کرنے لگا مگر کافی دیر انتظار کے بعد بھی میری باری نہ آ سکی تو میں فون کرنے کے لیے ہوٹل سے باہر آ گیا۔ دس پندرہ قدموں کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا اسٹور تھا۔ وہیں آ کر میں نے لاہور، زبیری کے گھر کا نمبر ملایا۔ میں اس سے کلینک کا احوال دریافت کرنا چاہتا تھا۔ اس سے انتظام و انصرام اچھی طرح سنبھالنے کا حکم دے کر میں فون بند کرنے ہی والا تھا کہ اس کی آواز ایئر پیس میں سے ابھری۔

"مس نورالعزت نے تین چار بار فون کیا تھا سر!"

میری سماعتوں میں مٹھاس اتر آئی۔ محبت کرنے والے کی سائیکی عجیب ہوتی ہے۔ وہ نا صرف خود محبوب کے نام کی تسبیح کرتے رہنا چاہتا ہے، بلکہ اس کی کوشش ہوتی ہے کہ ہر دوسرے شخص کو بھی اسی تسبیح پر لگا دے۔

"نورالعزت نے؟ کیوں؟ خیریت؟" میں نے جان بوجھ کر انجان بنتے ہوئے پوچھا۔

"جی سر! خیریت تو تھی۔۔ وہ کہہ رہی تھیں انہیں آپ سے کوئی ضروری بات کرتی ہے۔۔ زاہد نے کہا کہ وہ میسیج دے دے گا مگر انہوں نے کوئی پیغام نہیں دیا۔۔ ہاں یاد آیا، وہ کہہ رہی تھیں کہ آپ انہیں خود فون کر لیں۔" زبیری نے تفصیل سے جواب دیا۔

"اچھا، ان کی والدہ تو خیریت سے ہیں نا؟" میں نے لہجے کو حتٰی الامکان سرسری بنا کر پوچھا۔

"جی سر! الحمدللہ وہ بخیریت ہیں۔" وہ اتنا کہہ کر رکا پھر بولا۔

"آپ انہیں فون کریں گے؟" اس کا انداز کچھ عجیب سا تھا۔

"کیوں؟" میں نے استفسار کیا۔

"نہیں۔۔ وہ میرا مطلب تھا کہ اگر آپ کہیں تو میں انہیں فون کر دوں۔" اس نے سابقہ انداز میں کہا۔

"ارے نہیں۔۔ میں دیکھتا ہوں۔۔ فرصت ہوئی تو خود کر لوں گا۔" میں نے بہ عجلت کہا جیسے وہ میرا جواب پاتے ہی فون ملانے نہ بیٹھ جائے۔

فون بند کر کے میں چند لمحے تذبذب کے عالم میں وہیں کھڑا رہا۔ اس کے بعد تھک ہار کر میں نے دکاندار کو ایک اور نمبر ملانے کے لیے کہا۔ چند لمحوں بعد نورالعزت لائن پر تھی۔

"کہاں ہیں آپ۔۔؟ جانتے ہیں آج کتنے دنوں بعد آواز سنی ہے میں نے آپ کی۔۔ مجھے سمجھ میں نہیں آرہا کہ آپ مجھے نظر انداز کیوں کر رہے ہیں۔۔ کیا آپ کو میری کوئی بات بری لگی ہے؟"

اس کی بے چین و مضطرب آواز میری سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔ اس کے لہجے میں آنسوؤں کی نمی گھلی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ میرا اضطراب دھیرے دھیرے سکون میں بدلنے لگا۔ اگرچہ وہ میری وجہ سے پریشان

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

تھی میں اس کی تکلیف کا باعث تھا مگر پھر بھی اپنے لیے اس کی یہ حالت دیکھ کر میرے من میں شانتی اتر آئی تھی۔ قبل اس کے کہ میں اسے کوئی تسلی دیتا یا اسے کوئی خوش کن جملہ کہتا اس نے فون بند کر دیا۔

محبت کے کھیل میں دماغ ہمیشہ صحیح ہوتا ہے مگر جیت ہمیشہ دل کی ہوتی ہے۔ میرے دل نے فیصلہ کن اسٹروک لگایا۔ وہ رات میں نے بہت مشکل سے کاٹی تھی۔ اس کو منانے، شانت کرنے کے لیے نجانے کون کون سے خوبصورت جملے سوچے تھے۔ صبح بیدار ہوتے ہی غیاث بھائی کو ایمرجنسی کا کہہ کر میں نے لاہور کا رخت سفر باندھ لیا۔

یہ مشغلہ ہے کسی کا نجانے کیا چاہے
نہ فاصلوں کو مٹائے نہ فیصلہ چاہے

گل بہار بانو کی آواز پورے لان میں اپنی بھرپور رعنائی سمیت گونج رہی تھی۔ میں نے اس غزل ایوننگ میں کوئی غزل اتنے غور سے نہیں سنی تھی کیونکہ مجھے اس قسم کا میوزک پسند ہی نہیں تھا۔ میں تو ڈرائیونگ کے دوران ہلکے پھلکے گانے سن کر خوش ہونے والے لوگوں میں سے تھا۔

"گل بہار بانو کی آواز مجھے بہت پسند ہے۔"

نورالعزت نے اس گلوکارہ کے آنے سے پہلے مجھے بتایا تھا اور میں فی الفور اس آواز میں دلچسپی لینے پر مجبور ہو گیا تھا اور پھر اس غزل کی فرمائش تو بقول نورالعزت کے اس نے خود کاغذ کی چھوٹی سی چٹ پر لکھ کر اسٹیج تک

پارسل کی تھی۔اسی لیے میں اس آواز کو بغور سننے اور غزل کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔یہاں پر بھی مجھے نور العزت نے ہی انوائیٹ کیا تھا۔اس دن کاغان سے واپس آکر میں نے اس کے یہاں فون کیا تھا۔اس نے کوئی بات کی تھی نہ میں نے کوئی صفائی پیش کی شاید کچھ تعلقات آواز و الفاظ سے ماورا ہوتے ہیں ان کے نباہنے میں زبان کو بہت زیادہ طاقت نہیں صرف کرنا پڑتی، فقط آنکھوں کی قندیلوں میں بڑے بڑے اگریمنٹ سائن ہو جایا کرتے ہیں اور جن کی قانونی حیثیت کو کسی کورٹ میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔میرے اور نور العزت کے درمیان ایسا ہی اگریمنٹ سائن ہو چکا تھا۔

"آپ نے غزل سنی؟" اختتام پر ریفریشمنٹ کے دوران اس نے مجھ سے پوچھا۔

"ہاں بہت زبردست تھی، آپ کا ذوق شاندا ہے۔" میں نے اسے سراہا۔عجیب بات تھی کہ بے تکلفی کے باوجود میں اسے آپ سے تم پر نہیں لا پایا تھا۔

"آپ اس غزل کو سمجھ سکتے ہیں۔" اس نے سبز چائے کے ڈسپوزایبل کپ کو گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"ہاں۔" میں نے ایک لفظی جواب دے کر بات ختم کرنا چاہی۔

"کیا۔۔؟ کیا سمجھے؟" اس نے مزید پوچھا شاید وہ میرا امتحان لینے کے موڈ میں تھی۔

"یہی کہ کچھ لوگوں کی ہابی بہت عجیب و غریب ہوتی ہے وہ فاصلوں کو ختم کرنے کی کوشش نہیں کرتے اور ان کی قوت فیصلہ بہت کمزور ہوتی ہے۔"

میں نے اب کی بار لہجے کو حتی الامکان سادہ رکھتے ہوئے جواب دیا۔اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی مگر اس مسکراہٹ کا دورانیہ بہت کم تھا۔وہ آج کچھ کھوئی کھوئی سی تھی۔مجھے اس کے سنجیدہ چہرے پر پھیلی تفکر کی پرچھائیاں بہت بھلی لگیں۔اسے تنگ کرنے کا ارادہ ترک کر کے میں نے اس کے ہاتھ میں پکڑا ہوا کپ لے کر ٹیبل پر رکھ دیا۔

"آپ شاید مجھے گدھا سمجھتی ہیں جو ڈھینچوں ڈھینچوں کرتے ہوئے ساری زندگی گزار دیتا ہے یا آپ کے خیال میں عباس غوری کوئی ناسمجھ بچہ ہے جسے بات سمجھانے کے لیے بہت سی توانائی صرف کرنا پڑتی ہے یا پھر آپ مجھے کوئی بے حس انسان سمجھتی ہیں، جسے اپنے سے وابستہ افراد کے جذبات کی پروا نہیں ہوتی۔" میں اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے بولا۔

"مائی ڈیئر نور العزت! میں اس قدر بدذوق انسان نہیں ہوں کہ کوئی پیارا سا انسان مجھے شاعری کی زبان میں کوئی بات سمجھانے کی کوشش کرے اور میں اس کی بات نہ سمجھ پاؤں۔"

اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اسے سہلانے کی خواہش ترک کرتے ہوئے میں نے بات مکمل کی۔اس نے چونک کر میری جانب دیکھا۔ہم دونوں ہی ناسمجھ نہیں تھے کہ ایک دوسرے کے جذبات کو نہ سمجھ سکتے۔ اس کی آنکھوں میں وہ تمام تر احساسات نظر آرہے تھے جو اس کے دل میں میرے لیے موجود تھے اور یقیناً میری آنکھوں میں بھی اسے اپنے ہر سوال کا جواب نظر آرہا تھا۔لیکن اس کے باوجود وہ میری زبان سے اقرار کے معتبر الفاظ سننا چاہتی تھی، جبکہ مجھے مناسب لفظ ہی نہیں مل رہے تھے۔

میں اس سے کہتا بھی تو کیا اب کہنے کے لیے کچھ نہیں بچا تھا۔میرا دل کہتا تھا ہم اس مقام سے بہت آگے نکل چکے ہیں جہاں تردید و تائید کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ اس کے چہرے پر واضح انداز میں لکھا تھا کہ اذان کی آواز سن کر ہی روزہ کھولے گی، سو اظہار محبت بے حد ضروری تھا۔اس کی انگلیوں کی اضطراری حرکت، پلکوں کی بوجھل بوجھل سی شرماہٹ مجھے کھل کر مسکرانے پر مجبور کر دیا۔

"آپ کے بچے کیسے ہیں؟"

اس نے میری مسکراہٹ سے گھبرا کر یکدم سوال کیا۔ایک نسل سے دوسری نسل تک کا سفر اس قدر تیزی

سے طے ہوا تھا کہ میں خود بھی گہری سانس بھر کر رہ گیا۔

"شکر الحمد اللہ۔۔ بالکل ٹھیک ہیں۔" میں نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔ میں تو خود کو قلبی و ذہنی طور پر تیار کر کے اس سے کچھ کہنا چاہتا تھا مگر اس نے بچوں کا ذکر کر کے اچھے بھلے چڑھتے ہوئے دریا پہ بند باندھنے کی کوشش کی۔

"مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے نور!" میں نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا مجھے پتا تھا کہ اگر یہ لمحہ میرے ہاتھ سے پھسل گیا تو پھر زندگی بھر میں اسی ایک لمحے کی تلاش میں بھٹکتا رہوں گا۔ اس لمحہ کو قید کرنے کی شعوری کوشش میں ابھی میں ایک قدم ہی چل پایا تھا کہ میرے موبائل کی بیپ گنگنا اٹھی۔ ٹریس ہونے والا نمبر لوکل ہونے کے باوجود میرے لیے اجنبی تھا۔

"عباس! میں ایئرپورٹ سے بات کر رہی ہوں۔۔ مجھے یہاں سے پک کر لو۔"

موبائل کان سے لگاتے ہی عفیرہ کی کھنک دار آواز میری سماعتوں سے ٹکرائی۔ ایک طلسم چھناکے کی آواز کے ساتھ زمیں بوس ہو گیا۔ نور العزت بغور میرے چہرے کی جانب دیکھ رہی تھی۔

"وہ دراصل عفیرہ تھی۔ ایئرپورٹ سے کال کر رہی تھی۔ مجھے اسے پک کرنا ہے۔"

میں نے گہری سانس بھرتے ہوئے کہا۔ میری اواز پہ غالب ملال اس کے پورے وجود پر چھا گیا۔ ہم دونوں پھر سے خاموشی کی زبان میں ایک دوسرے سے عہد و پیمان کرنے لگے۔

"مجھے جانا ہے نور!" میں نے کسی قدر شرمندگی سے کہا کہ بہر حال مجھے کچھ تو کہنا ہی تھا۔

"جی۔۔ میں جانتی ہوں۔۔ میرے کہنے سے آپ رکیں گے بھی نہیں۔"

وہ مسکراتے ہوئے بولی مگر اس کے پر تاسف لہجے نے مجھے بے حد ڈسٹرب کر دیا۔ میں بخوبی سمجھ رہا تھا کہ وہ کیا جتانا چاہتی ہے۔

"آپ کوشش کر لیجئے شاید رک ہی جاؤں۔" میں نے از حد سنجیدگی سے کہا۔ وہ کچھ بولنے کے بجائے اپنے ناخنوں کو کھرچنے لگی۔ میرا ایسا ارادہ نہیں تھا مگر اس کو حزن و ملال میں گھرا دیکھ کر یکدم ہی میرے دل نے یہ ارادہ کر ڈالا میں نے اپنے موبائل سے زبیری کا نمبر ملایا۔

"یار! تمہاری بھابھی ایئرپورٹ پہ کھڑی ہے۔۔ میں ذرا مصروف ہوں تم اس کو وہاں سے پک کرو اور گھر ڈراپ کر دو۔" میں نے اس کو حکمیہ لہجے میں کہا۔

"اور ہاں، عفیرہ میرے بارے میں پوچھے۔۔ تو کہنا کہ کلینک پہ عام دنوں سے زیادہ رش ہے۔"

میں نے مزید کہا اور پھر مطمئن ہو کر فون بند کر دیا۔ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ میں کوئی کام کہوں اور زبیری کسی قسم کی کوتاہی کر جائے۔

نور العزت اب کچھ حیران دکھائی دے رہی تھی مگر میں جانتا تھا اس کا دل بہت ہلکا پھلکا اور پر سکون ہو کر ہواؤں میں اڑ رہا ہے۔

"کہاں کی تیاری ہے؟" قد آدم آئینے میں عفیرہ کی شاندار شخصیت پوری آب و تاب سے چمک رہی تھی۔ میرون رنگ اس پہ بہت جچتا تھا اور آب و ہوا کی تبدیلی نے اس کے حسن کو مزید نکھار بخش دیا تھا۔ اس کا ہیئر کٹ مزید چھوٹا ہو چکا تھا جو اس کی صراحی دار گردن پہ بہت سوٹ کر رہا تھا اس کے علاوہ اس نے اپنے بالوں کو کافی براؤن کلر میں ڈائی کروالیا تھا، غرضیکہ وہ پہلے جس قدر شاندار دکھائی دیتی تھی اب اس سے چار گنا زیادہ شاندار دکھائی دینے لگی تھی مگر حیرت انگیز طور پر مجھے اس کی شخصیت میں کوئی چارم محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

اسے واپس آئے دس دن ہو چلے تھے اور ان دس دنوں میں ایک بار بھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ میرا دل اس کو دیکھ کر ہمکا ہو، اس میں کوئی طلب جاگی ہو حتیٰ کہ اس کی شخصیت میں آنے والی تبدیلیاں بھی میں نے بذات خود نوٹ نہیں کی تھیں، بلکہ اس نے خود مجھے بتایا تھا۔

"میں نے ہیئر کلر چینج کرایا ہے۔۔ اچھا لگ رہا ہے نا؟"

"میں نے مونٹریال کے سب سے مہنگے سلون سے کٹنگ اور فیشل وغیرہ کروایا ہے۔۔ میری سکن بہت فریش لگنے لگی ہے نا؟"

"جوس تو میں یہاں بھی بہت ریگولر لیتی تھی مگر وہاں میری پرفیکٹ روٹین اور پراپر ڈائیٹ دیکھ کر مسز آفاق وغیرہ کہنے لگیں کہ عفیرہ کو یہاں کا Climate بہت سوٹ کیا ہے۔"

وہ یہ سب مجھے بتاتی اور میں غائب دماغی سے اس کی جانب دیکھ کر سر ہلانے لگتا۔ وہ بھی اس صورتحال سے جھنجھلا رہی تھی، کیونکہ اس نے مجھے ہمیشہ مہربان و ملتفت ہی دیکھا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ میری اس کی ذات میں عدم دلچسپی کسی قسم کی مصروفیت کے باعث ہے۔

"کہیں باہر جا رہے ہو عباس؟" اس نے میری خاموشی سے اکتا کر پھر سے سوال کیا لیکن اس بار میں قدرے جھنجلا سا گیا۔ یہ مڈل کلاس عورتوں والی تفتیش اس نے نہ جانے کہاں سے سیکھ لی تھی۔

"ہاں بھئی۔۔ ولید بھائی اور صبیحہ بھابھی اس سال حج کے لیے جا رہے ہیں، وہاں سے وہ لوگ اپنے بیٹے کے پاس لیڈز چلے جائیں گے۔۔ سال بھر کا پلان ہے۔۔ اسی لیے جانے سے پہلے ایک گیٹ ٹو گیدر رکھی ہے۔۔ وہیں انوائیٹڈ ہوں۔"

آئینے میں ٹائی کی ناٹ بناتے ہوئے میں نے جان چھڑانے والے انداز میں کہا۔ وہ چند لمحے میری جانب دیکھتی رہی پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر بالکل میرے قریب آ کھڑی ہوئی۔ میں نے مڑ کر نہیں دیکھا تھا مگر آئینے میں اس

کی نقل و حرکت بہت واضح تھی۔

"مجھے انوائیٹ نہیں کیا انہوں نے؟" اس کا انداز کھوجنے والا تھا۔ ٹائی کی ناٹ بناتے میرے ہاتھ چند لمحے کے لیے رکے۔ وہ ایسے سوالات تو کبھی بھی نہیں کرتی تھی۔

"کیسی باتیں کر رہی ہو تم۔۔ ایسا بھلا ممکن ہے۔۔ صبیحہ بھابھی نے بطور خاص مجھ سے تمہاری واپسی کے متعلق پوچھا تھا۔۔ مجھے اندازہ تھا کہ تم جانا پسند نہیں کرو گی، اس لیے میں نے تمہاری طرف سے پہلے ہی معذرت کر لی تھی۔"

آئینے کے سامنے سے ہٹ کر میں بیڈ پر پڑے کوٹ کی طرف آ گیا۔ میری حتی الامکان کوشش تھی کہ وہ میرے چہرے کی جانب نہ دیکھ پائے۔

"معذرت؟۔۔ مگر کیوں۔۔ ولید بھائی کی پارٹیز تو میں کبھی مس نہیں کرتی۔۔ تمہارے حلقہ احباب میں ایک وہی تو کام کے انسان ہیں۔۔ ابھی کچھ دیر ہے نا جانے میں۔۔ مجھے بھی چلنا ہے۔۔ دس منٹ رکو، میں ابھی تیار ہو جاتی ہوں۔"

وہ آناً فاناً فیصلہ کر کے وارڈروب کی سمت بڑھتے ہوئے بولی۔ میں پریشان سا ہو گیا۔ یہ تو سچ تھا کہ نور العزت بھی وہاں آ رہی تھی۔ ہمارا تعلق اس موڑ پر آ چکا تھا کہ جب اپنے سوا کوئی اچھا نہیں لگتا اور زمانے کی کسی بات کی پروا نہیں رہتی مگر عفیرہ زمانہ نہیں تھی وہ میری بیوی تھی اور من چاہی بیوی تھی جسے حاصل کرنے کے لیے میں نے ایک دنیا سے جنگ لڑی تھی۔ ایک عمر کی تگ و دو کے بعد حاصل ہونے والی نعمت کس قدر بے کار لگنے لگی تھی،

میں نے اس کی سمت کن اکھیوں سے دیکھا۔ وہ جب سے واپس آئی تھی اس کے رویے میں ایک واضح تبدیلی میں ہر روز محسوس کر رہا تھا۔

"یار! میں تو آل ریڈی لیٹ ہو گیا ہوں۔۔ تم تو ہمیشہ میری گیدر نگز سے الرجک رہی ہو۔۔ مجھے پتا ہوتا کہ تم اس پارٹی کو اٹینڈ کرنے میں انٹرسٹڈ ہو تو میں تمہیں پہلے ہی انفارم کر دیتا۔"

میں نے اپنی خجالت اور ناگواری کو چھپاتے ہوئے سادہ سے لہجے میں کہا۔ میری توقع کے برخلاف اسے غصہ آیا تھا اور نہ ہی اس نے میرے رویے کا برا مان کر اپنا ارادہ ترک کیا تھا۔ مجھے انتہائی درجے کی کوفت میں مبتلا کر کے وہ ڈریس منتخب کر رہی تھی۔ پہلی بار نہایت حیرت انگیز طور پر اس نے بہت جلدی ایک لباس منتخب بھی کر لیا اور پھر اس پر مزید غور و خوض کیے بغیر ڈریسنگ روم کی سمت بڑھ گئی۔ میرا اچھا بھلا موڈ غارت ہونے لگا۔ میں گرنے والے انداز میں بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"مزید پانچ منٹ اور۔۔ تم گاڑی نکالو۔۔ میں ابھی آتی ہوں۔"

اس نے ڈریسنگ روم سے نکل کر آئینے کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ سیاہ شیشوں کی کڑھائی سے مزین لباس میں اس کی گوری رنگت آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ اس نے کانوں میں ننھے ننھے سے آویزے لٹکائے اور پھر نیکلس کو صراحی دار گردن کے گرد سنجانے لگی۔ بلاشبہ وہ بہت خوبصورت تھی اور اسے اپنی خوب صورتی کا ہمیشہ احساس رہتا تھا مگر اسے یہ نہیں پتا تھا کہ محبت خوب صورتی کی میراث نہیں ہوتی، یہ وہ نعمت ہے جو رنگ و نسل کے امتیاز کے بغیر بھی نصیب ہو سکتی ہے۔ اس کی پھرتیاں میرے لیے حیران کن تھیں اور شاید میرا رویہ اس کے لیے۔

میں نے اس سے محبت کی تھی اور پھر اسے اپنانے کے بعد میں نے بہت عرصہ تک اسی محبت کا بھرم نبھانے کی کوشش کی تھی، مگر اب مجھ میں مزید سکت نہیں تھی۔ اگر میری زندگی میں "نور العزت" کا وجود نہ ہوتا تو شاید میں مرتے دم تک اسی بھرم کو نبھاتا رہتا۔ میں بددیانت یا بے ایمان نہیں تھا۔ میں عفیرہ سے نور العزت کے متعلق بات کرنا چاہتا تھا مگر نجانے کیوں ایک عجیب سا احساس مجھے روک دیتا تھا۔ میں گاڑی کی چابی اٹھا کر

ڈھیلے قدموں سے باہر کی سمت آ گیا۔ گاڑی گیٹ سے نکالنے میں پانچ منٹ ہی گزرے تھے کہ وہ اپنی تمام تر حشر سامانیوں سمیت آموجود ہوئی۔ اتنی عجلت میرے معاملے میں تو اس نے کبھی بھی نہیں دکھائی تھی اور میں نے اس بات کے لیے ہمیشہ اس سے شکوہ کیا تھا اور اب جب وہ میری خاطر یہ سب کر رہی تھی۔ تو مجھے ناگوار گزر رہا تھا۔

"عباس رے عباس! تیری کون سی کل سیدھی۔" میں گاڑی کو مین سڑک پر لاتے ہوئے خود پر پھبتی کس رہا تھا۔ عفیرہ نے خود ہی ایک کیسٹ منتخب کر کے لگا دی تھی۔

"آج بلیو کلر پہننا۔۔ بہت سوٹ کرتا ہے آپ کو۔"

صبح فون پر نور العزت سے بات کرتے ہوئے میں نے فرمائش کی تھی اور اس نے فوراً مان بھی لی تھی۔ اس کی یہی بات تو مجھے پسند تھی وہ میری پسند و ناپسند کو بہت اہمیت دیتی تھی، جبکہ عفیرہ نے تو کبھی ایک جوتا بھی میری پسند سے خرید نا گوارا نہیں کیا تھا۔ مجھے لگتا تھا میری زندگی میں ایک خلا پیدا ہو چکا ہے جسے صرف نور العزت ہی ختم کر سکتی ہے۔ اس لڑکی کی بدولت اگرچہ میری زندگی میں ایک چور دروازہ کھل چکا تھا مگر اس میں میرا قصور نہیں تھا، یہ سراسر عفیرہ کے بدصورت رویے کے باعث ہوا تھا۔ ولید بھائی کے یہاں ہمیں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔

عفیرہ اور میں بہت عرصہ بعد ایک ساتھ کسی گیدر نگ میں اکٹھے ہوئے تھے اس لیے سب ہی نے ہمیں ایک خاص پروٹوکول دیا۔ بہت سے شناسا چہرے نظر آ رہے تھے مگر میری نظروں کو جس کی تلاش تھی وہ کہیں نظر نہیں آئی۔ میں نے کسی قدر سکون محسوس کیا اگرچہ دل اس کی آمد کا منتظر تھا، مگر یہ سوچ پر سکون کر دینے کو کافی تھی کہ اگر وہ موجود ہوتی تو شاید مجھے اور عفیرہ کو ایک ساتھ دیکھ کر ہرٹ ہوتی۔ وہ یوں بھی آج کل کچھ زیادہ ہی عجیب و غریب رویے کا مظاہرہ کر رہی تھی اور مجھے اکیلا چھوڑنے کو تیار ہی نہیں ہوتی تھی۔ اسے

رائمہ بھابھی سے باتیں کرتا چھوڑ کر میں ولید بھائی کے گروپ کی طرف آگیا چند اور کولیگز بھی موجود تھے۔

"ہمارا عباس غوری نونکھرتا جارہا ہے۔" سہیل نے سراہنے والے انداز میں مجھے دیکھ کر کہا۔ سب کے چہروں پر ہی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تم فکر مت کرو جب تم چالیس کے قریب قریب آنے لگو گے تو تم پر بھی یہ نکھار آئے گا۔۔

ہر مرد پر بڑھاپے سے پہلے جوانی آتی ہے۔۔ ہم پر بھی آئی تھی۔"

ولید بھائی نے سہیل کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دینے کے انداز میں کہا۔ سب ہی ہنس دیے جبکہ میں نے ہنسنے کے ساتھ ساتھ ولید بھائی کا انداز بھی ملاحظہ کیا تھا۔ وہ مجھ پر کیا جتانا چاہ رہے تھے، میں بخوبی سمجھ رہا تھا۔

"اس کے بعد کا قصہ سنایئے ولید صاحب! یقیناً اس بڑھاپے کی جوانی نے بہت سے گل کھلائے ہوں گے۔"

حفیظ اختر نے بھی اپنی انٹری دی۔ ولید بھائی کا قہقہہ بے ساختہ تھا، گویا کہنا چاہتے ہوں۔

"ٹھیک کہتے ہو میاں!"

"یار! یہ جوانی جس خاموشی سے آتی ہے اسی خاموشی سے واپس بھی چلی جاتی ہے، بس تھوڑا محتاط رہنا پڑتا ہے تاکہ بیوی کو کانوں کان خبر نہ ہو سکے۔"

ولید بھائی نے مزاحیہ انداز میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔ سب ایک بار پھر ہنس دیے۔ میرا دل ایک بار پھر زور سے دھڑکا۔ میرے دل میں چور تھا اس لیے ان کی ہر بات خود پر چسپاں ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔

"ویسے ایک بات ہے۔" ولید بھائی نے اپنی عینک کو آنکھوں سے اتار کر صاف کرتے ہوئے ادھوری سی بات کی ابتدا کی۔

"بزرگوں نے بڑھاپے کی دو نشانیاں بتائی ہیں۔۔ ایک اچھا لگنے کی خواہش اور دوسری، دوسری شادی کی خواہش۔"

اب کی بار تو سب کے سب معنی خیز نظروں سے میری جانب دیکھ کر مسکرانے لگے۔

"لاحول ولا قوۃ۔۔ مزید شرمندہ مت کیجئے ولید بھائی!" میں نے حد درجہ خجل ہو کر کہا۔

"ارے نہیں بچے! تم پر مجھے پورا یقین ہے کہ تم مر کر بھی دوسری شادی کی خواہش نہیں کر سکتے کیونکہ تم ایک شریف آدمی ہو۔"

انہوں نے مجھے تسلی دینے والے انداز میں کہا اور میرے دل کی جو حالت تھی وہ صرف میں ہی جانتا تھا۔

"ولید بھائی! کیا شریف آدمی دوسری شادی کی خواہش بھی نہیں کر سکتا؟" اطہر نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

سب لوگوں کے چہرے پر دلچسپی کے تاثرات بکھرے۔

"دوسری شادی کی خواہش ہی کر سکتا ہے۔۔ اس ضمن میں کوئی اور اقدام اٹھانا تو شریف آدمی کو زیب ہی نہیں دیتا اور اللہ جھوٹ نہ بلوائے تو شریف آدمی میں اتنی ہمت بھی نہیں ہوتی۔"

ان کی "شریف آدمی" کی یہ گردان میرے لیے ناقابل برداشت ہو چلی تھی۔ میں "ایکسکیوز می" کہتے ہوئے ان کے پاس سے ہی ہٹ گیا۔ اسی لمحہ مجھے وہ نظر آ گئی۔ میں اس کی موجودگی سے یکسر بے خبر تھا۔ اس نے بھی شاید اسی لمحہ میں مجھے دیکھا تھا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں چمک بڑھتے دیکھی، مگر شاید یہ ولید بھائی کی باتوں کا اثر تھا کہ میں اس کی طرف ایک قدم بھی نہ بڑھا سکا، حالانکہ میں واضح طور پر دیکھ چکا تھا کہ وہ صرف مجھ سے ملنے کی خاطر اپنے ساتھ کھڑی خاتون سے معذرت کر کے چند قدم آگے کی طرف آئی تھی مگر میں چند قدم بھی طے کر سکا۔

"عباس! مسز نواز تم سے ملنا چاہ رہی تھیں۔" مجھے یکدم عفیرہ کی آواز بہت قریب سے سنائی دی۔ میں گہری سانس بھر کر اس کی طرف آ گیا۔ اس کے بعد ڈنر تک میں نجانے کیوں نورالعزت کو نظر انداز کرتا رہا اس میں میری کسی شعوری کوشش کا دخل نہیں تھا، بس مجھے خود بھی پتا نہیں چل رہا تھا کہ میں ایسا کیوں کر رہا تھا کہ بہر

حال ایسا کرنے میں مجھے خود بھی بہت تکلیف ہو رہی تھی۔

"صبیحہ بھابھی نے مجھے اپنی کسی کزن سے بھی ملوایا تھا۔ وہی جو اسپیچ تھراپسٹ ہے۔ جس سے ڈیڈی نے ہشام کے سلسلے میں کنسلٹ کیا تھا۔"

واپسی کے وقت عفیرہ نے ونڈ اسکرین کے پار دیکھتے ہوئے اچانک کہا۔ میں نے خاموشی سے ڈرائیونگ کی طرف سارا دھیان مبذول کیے رکھا۔

"لمبا سا نام تھا اس کا۔۔ اب یاد نہیں آرہا۔ ویسے کافی خوبصورت خاتون ہے۔"

اب کی بار اس نے میری جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ مجھے یکایک ہی کچھ کلک ہوا تھا۔ وہ ہر کسی کے متعلق اس طرح بات کرنے کی عادی نہیں تھی۔

"عفیرہ کو میرے اور نورالعزت کے متعلق کچھ سن گن تو نہیں مل گئی۔" میں نے سوچا۔

"خس کم جہاں پاک۔۔ بہتر ہوا آخر کبھی نہ کبھی تو پتا چلنا ہی تھا۔" میں نے خود کو مطمئن کرنا چاہا۔

"صبیحہ بھابھی نے بتایا کہ میری کزن ہے تو میں حیران رہ گئی۔

وہ تو بیس اکیس سال کی لڑکی دکھائی دیتی ہے مگر ظاہر ہے صبیحہ بھابھی کی کزن ہے تو عمر میں مجھ سے ایک دو سال بڑی رہی ہو گی۔"

وہ معمول سے ہٹ کر گفتگو کر رہی تھی۔ میں چڑ سا گیا۔

"کم آن عفیرہ! تم کس قسم کی باتیں کر رہی ہو؟" میں نے ناگواری سے کہا تو وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہو گئی۔

"دراصل میں ایک بات سوچ رہی تھی۔" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے پھر ایک نقطہ اٹھایا۔

"تمہارا زبیری مجھ سے کہہ چکا ہے کہ بھابھی! میرے لیے کوئی لڑکی دیکھیں، تو میں سوچ رہی تھی کہ اس

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

اسپیچ تھراپسٹ کی زبیری سے شادی کروا دوں۔"

"شٹ اپ عفیرہ!" میرا خون کھول اٹھا۔ میں نے غرا کر کہا۔

"تم کیوں تاؤ کھا رہے ہو۔ میں تو اس کا بھلا ہی سوچ رہی ہوں۔ اب اس عمر میں وہ نجانے کس کس بال بچوں والے کا ایمان خراب کرتی ہو گی، شادی ہو جائے گی تو۔۔"

"اپنی بکواس بند کرو۔۔ ورنہ میں تمہارا منہ توڑ دوں گا۔"

میں نے چلا کر کہا تھا یقیناً میرا انداز اس کے لیے انوکھا تھا۔ وہ خاموش ہو گئی تھی۔

"تمہارا اور عفیرہ کا جھگڑا اچل رہا ہے؟"

ہماری کشیدگی سے متعلق پہلا سوال ڈیڈی نے کیا تھا۔ وہ بہت عرصہ بعد بنفس نفیس میرے گھر تشریف لائے تھے اور بہت پریشان لگ رہے تھے ظاہر ہے ان کی پریشانی بہت فطری تھی۔ عفیرہ کو ان کے یہاں رہتے ہوئے پندرہ دن ہو چکے تھے اور اس دوران ہم دونوں نے ایک دوسرے سے رابطے کی کوشش کی تھی، نہ ہی مفاہمت کی کوئی راہ نکالی تھی جبکہ میں اسے واشگاف الفاظ میں بتا چکا تھا کہ میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔

اس رات گھر واپس آکر ہمارا نہایت سنگین قسم کا جھگڑا ہوا تھا اور اگلی صبح وہ میرا گھر چھوڑ کر چلی گئی تھی۔

"جھگڑا؟۔۔ آپ کو جو لفظ مناسب لگے وہی استعمال کر لیجیے۔ سچ تو یہ ہے کہ اب میں اور عفیرہ مزید ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔"

میں نے مودب لہجے میں کہا۔ عفیرہ سے اختلاف اپنی جگہ مگر ڈیڈی کے لیے میرے دل میں موجود احترام میں

کوئی کمی نہیں ہوئی تھی۔ میرے دوٹوک جواب نے ڈیڈی کو لمحہ بھر کے لیے خاموش کر دیا۔ میرے اور ان کے درمیان تعلقات ہمیشہ کچھ عجیب نوعیت کے رہے تھے۔ عفیرہ میرے خلاف ان سے شکایات کرتی رہتی تھی، وہ محبت بھرے لہجے میں مجھے نصیحتیں کرتے رہتے تھے حقیقت تو یہ ہے کہ مجھے ان کے رویے سے کوئی گلہ نہیں تھا۔ مجھے ایف آر سی ایس کے لیے رقم کی ضرورت پڑی تو ڈیڈی نے فراخ دلی کا ثبوت دیتے ہوئے مجھے ایک خطیر رقم فراہم کی تھی پھر کلینک کا معاملہ درپیش آیا تب بھی ڈیڈی نے مالی مدد فراہم کی حتیٰ کہ جب میں نے گھر بنایا تو انہوں نے اسے مکمل فرنشڈ کروا کر گویا مجھے اور اپنی بیٹی کو گفٹ دیا تھا۔

"میں جانتا ہوں میری بیٹی ضدی ہے اور میں تمہیں سراہوں گا کہ تم نے ہمیشہ اس کی ضد کو برداشت کیا ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ میرے لاڈ پیار نے اسے خود سر بنا دیا ہے یقیناً اسی کی کوئی غلطی رہی ہو گی جو تم اس قدر برافروختہ ہو رہے ہو۔ اس کی جگہ میں تم سے معافی مانگتا ہوں۔"

انہوں نے دائیں ہاتھ میں پکڑی عصا ایک طرف رکھ کر یکدم میرے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ میں تو اچھل پڑا۔

"ڈیڈی پلیز۔۔! مجھے شرمندہ مت کیجیے۔ آپ نہیں جانتے میں کس قدر مجبور ہو چکا ہوں۔ بات ہٹیلے پن یا خود سری کی نہیں ہے۔" میں نے سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"بات عزت نفس کی ہے۔۔ انسان محبت کے بغیر گزارا کر سکتا ہے مگر عزت نفس کے بغیر نہیں، آپ یقین کیجیے ڈیڈی! میں بہت پرسکون ہوں اس کے بغیر۔ ایسا سکون گزشتہ کئی سالوں سے میں نے محسوس نہیں کیا شادی کے بعد جو ذہنی سکون اور طمانیت ہوا کرتا ہے وہ سکون تو گویا کئی برسوں سے میری زندگی سے عنقا ہو چکا ہے۔۔ آپ بتائیے میں کیا کروں، کیا میرا حق نہیں ہے کہ میں ایک آسودہ زندگی گزارنے کے لیے اپنی مرضی سے ایک فیصلہ کر سکوں۔"

میں نے بظاہر آنکھیں جھکا کر دھیمے لہجے میں کہا۔ یہ ڈیڈی کے ساتھ اس موضوع پر میری پہلی طویل ترین

گفتگو تھی۔ میرے لہجے میں چھپے ضدی پن کو انہوں نے محسوس کر لیا تھا اور پھر وہ جس طرح آئے تھے اسی طرح واپس چلے گئے۔ عفیرہ مڈل کلاس طبقے سے تعلق رکھنے والی کوئی عام عورت نہیں تھی،

اس لیے مجھے امید تھی کہ مجھے بہت جلد خلع کا نوٹس مل جائے گا مگر میری امید کے برعکس مجھ پر اردگرد سے مزید دباؤ ڈالا جانے لگا۔ ڈیڈی کے بعد مجھے سمجھانے والے دوسرے شخص غیاث بھائی تھے۔ وہ میرے بھائی تھے، اس لیے میں ان سے زیادہ بہتر طریقے سے بات کر سکتا تھا مگر وہ بھی میری بات نہ سمجھ سکے۔

"میں نے تمہارا یہ انداز تب دیکھا تھا جب تم گھر والوں کو عفیرہ کے سلسلے میں کنوینس کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ تب بھی مجھے حیرت ہوتی تھی عباس! کہ تم اس قدر ضدی کیسے ہو سکتے ہو جبکہ تم تو ہمیشہ ایک فرمانبردار بیٹے رہے ہو۔ ماں جی نے تمہیں کتنا سمجھانا چاہا تھا کہ ہمارے اور عفیرہ لوگوں کے ماحول میں کوئی مطابقت نہیں، مگر تب بھی تم ڈٹے رہے کہ تمہاری زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ تم خود کرنا چاہتے ہو اور اب بھی تمہاری وہی ٹون ہے آج مجھے تم میں وہی ضد نظر آ رہی ہے جو میں نے تم میں تب دیکھی تھی۔ تم بہت پڑھے لکھے اور میں ٹھہرا عام سا انسان۔ تم مجھ سے زیادہ عقل مند اور زیادہ باشعور ہو، مگر پھر بھی میری تمہیں ایک نصیحت ہے کہ کسی غیر کے لیے اپنوں کو ناراض نہ کرو۔"

وہ مجھے سمجھاتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ میرا موڈ مزید آف ہو گیا۔ انہیں نجانے کسی غیر کے متعلق کیسے پتا چل گیا تھا کیونکہ بہرحال میں نے سوائے عفیرہ کے اس غیر کے بارے میں کسی کو بھی نہیں بتایا تھا۔

"تم کس قدر خود غرض ہو عباس!" یہ بات مجھ سے اطہر نے کہی۔ مجھے سمجھانے کے لیے آنے والا تیسرا شخص اطہر ہی تھا۔ وہ میرا بچپن کا دوست تھا اور میری زندگی کی بہت سی باتیں جانتا تھا۔

"تم ہمیشہ اپنے بارے میں ہی کیوں سوچتے ہو۔۔ ان لوگوں کا احساس کیوں نہیں کرتے جو تم سے وابستہ ہیں۔ ۔بس کرو یار! بہت آزما لیا سب کو، اگر یہ ایک مذاق تھا تو بہت بھونڈا مذاق تھا مگر چلو تمہاری خاطر یہ بھی سہی

گاڑی باہر ہی کھڑی ہے؟اٹھو بھابھی کو لینے چلیں۔"

وہ میرا ہاتھ تھامے جیسے ہوا کے گھوڑے پر سوار تھا۔ہم دونوں کی یہی بے تکلفی جواب تک دوستی کو قائم رکھے ہوئے تھی مگر یہی بے تکلفی آج مجھے زہر سے بھی زیادہ بری لگی۔

"یہ ہر کوئی مجھے ہی نصیحتیں کیوں کر رہا ہے۔۔جب میں ایک اچھا شوہر بن کر ہر اچھی بری بات کو صبر سے برداشت کر رہا تھا تب تو کوئی مجھے سراہنے نہیں آیا بلکہ تب بھی میں یہی سنتا تھا کہ میں ایک غیر ذمہ دار شوہر ہوں اور وغیرہ وغیرہ۔۔اور جب میں اس جھنجھٹ کو ختم کر دینا چاہتا ہوں تو ہر کوئی مجھے سمجھانے دوڑا چلا آرہا ہے۔"

میں نے تنگ کر کہا۔میں اس روز روز کے بحث ومباحثے سے تنگ آنے لگا تھا۔"میں کوئی غیر شرعی کام تو نہیں کر رہا تھا اور پھر سب سے بڑھ کر میں عفیرہ کو طلاق دینے کی بات نہیں کر رہا۔میں اس کی تمام ذمہ داریاں اٹھانے اور اس کے حقوق پورا کرنے کو تیار تھا بشرطیکہ وہ مجھے دوسری شادی سے نہ روکے۔وہ خود تو میکے سدھار گئی تھی اور ہر دو دن بعد ایک نیا ہرکارہ ایک نیا پیغام لے کر چل آرہا تھا۔

"عباس!یار بچوں کے بارے میں سوچو۔۔وہ ان کی ماں ہے۔"اطہر نے میرے لہجے کا برا مانے بغیر پھر سے بات شروع کر دی۔

"صرف دکھاوے کی ماں۔۔ایک ایسی ماں جو بچوں کو محبت کے لیے بھی ترساتی ہے۔۔اس کے نزدیک بچوں کو گود میں اٹھا کر پیار کرنا ایک فضول حرکت ہے۔۔جو بچوں کو ایسے ٹریٹ کرتی ہے جیسے لوگ کھلونوں سے کرتے ہیں۔۔میرے بچے اس ماں نہیں استانی سمجھتے ہیں اور وہ ہے بھی استانی بلکہ ڈکٹیٹر جو زبان کا کام انگلی کی جنبش سے اور انگلی کی جنبش کا کام ابرو سے لیتی ہے۔۔میں تمہیں کیسے بتاؤں اطہر۔۔یہ زندگی وہ زندگی نہیں ہے جس کی تمنا میں نے کی تھی۔"

میں اسے سب کچھ بتا دینے کا ارادہ ترک کر کے خاموش ہو گیا۔اسے بتاتا بھی کیا ہمیشہ تو میں نے سب کے سامنے بھرم قائم رکھنے کے چکر میں جھوٹی سچی کہانیاں گھڑی تھیں۔زمانہ تو میری اور عفیرہ کی جوڑی کو آئیڈیل قرار دیتا تھا اور زمانے کے اسی خیال کو قائم رکھنے کے لیے میں یہ برداشت کر رہا تھا مگر برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے میں کب تک اپنی ذات کی ناقدری برداشت کرتا۔

اطہر کے بعد ولید بھائی اور صبیحہ بھابھی اس خاص مشن پر میرے یہاں تشریف لائے۔مجھے ان کی آمد کی توقع نہیں تھی اس لیے بھی میں انہیں پا کر کچھ پریشان ہوا پھر وہ نورالعزت کے قریبی رشتہ دار تھے اس لیے بھی مجھے ان سے بات کرنے میں کچھ جھجک سی محسوس ہوتی رہی۔

ان سب باتوں کے باوجود ان کی بھی ہر دلیل میرے سامنے بے بس ثابت ہوئی ہر گزرتا دن میرے فیصلے کو مزید مستحکم کرتا جا رہا تھا۔

"بابا!ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

دریہ نے میری طرف دیکھتے ہوئے سادہ سے لہجے میں پوچھا۔میں اس کی جانب دیکھ کر بشاشت سے مسکرایا۔ہمیں گھر سے نکلے بیس منٹ ہو چکے تھے اور اس دوران وہ پہلی بار مجھ سے مخاطب ہوئی تھی۔میں بچوں کے ساتھ بہت عرصہ بعد آؤٹنگ کے لیے نکلا تھا ارادہ یہ تھا کہ ان کی ملاقات نورالعزت سے کروائی جائے،بلکہ یہ آئیڈیا بھی نور نے ہی دیا تھا۔اس کا خیال تھا کہ بچوں کے اور اس کے بیچ تعلقات میں پیش رفت کی ازحد ضرورت ہے۔اس کے ایما پر میں بچوں کو اس سے ملوانے لے جا رہا تھا۔ہشام پیچھے بیٹھا تھا جبکہ دریہ میرے

ساتھ فرنٹ سیٹ پر موجود تھی۔

"میں آپ کو ایک آنٹی سے ملوانے لے جا رہا ہوں۔ وہ بہت نائس ہیں، آپ کو ان سے مل کر اچھا لگے گا۔"

میں نے اس کے ہاتھ تھپتھپاتے ہوئے محبت سے کہا۔ وہ میرے انداز پر مسکرانے کی بجائے براہ راست میرے چہرے کی طرف دیکھنے لگی، پھر اس نے سر جھکا لیا مگر اس کا انداز مجھے چونکا گیا۔

"وہ آنٹی کون ہیں بابا؟" اس نے جھکے ہوئے سر کے ساتھ اگلا سوال کیا۔

"ان کا نام نور ہے۔ آپ ان سے پہلی بار ملو گے۔ وہ بہت اچھی ہیں۔"

میں نے سابقہ انداز میں جواب دیا۔ دریہ پھر اپنی انگلیوں سے کھیلنے لگی وہ اپنی ماں سے قطعاً مختلف تھی، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ اپنی عادات میں ہم دونوں سے ہی مختلف تھی۔ اتنی سی عمر میں بھی اس کا حساس ذہن اسے نجانے کہاں کہاں گھمائے پھرتا تھا۔ وہ برملا بات کرنے کے بجائے ہر بات خوب اچھی طرح سوچ بچار کر کے منہ سے نکالتی تھی۔

"یہ وہی آنٹی ہیں۔۔ جن کی وجہ سے مما نانو کے گھر چلی گئی ہیں؟"

اس کا اگلا سوال بہت چونکا دینے والا تھا۔ میں نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا۔ اسے احساس تھا کہ یہ سوال مجھے ناراض کر سکتا ہے تب ہی وہ میری طرف دیکھنے سے احتراز برت رہی تھی مگر بات تو اسے مکمل کرنا ہی تھی۔

"مجھے عیشہ نے بتایا تھا کہ مما کسی آنٹی کی وجہ سے ہم سب سے ناراض ہیں۔" اس نے اسی انداز میں جواب دیا۔

"مما ہم سب سے ناراض ہیں بابا؟" ہشام نے پیچھے سے اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔

"عیشہ کون ہے؟" میں نے دریہ کی جانب بغور دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ مجھے احساس ہوا تھا کہ وہ کچھ چھپا رہی ہے۔ شاید عفیرہ نے فون پر اس کے کان بھرنے کی کوشش کی تھی۔

"میری فرینڈ ہے۔۔ عیشہ احسن۔۔ وہ حفصہ آپی کی کزن بھی ہے۔" دریہ نے مجھے جیسے یاد دلانے کی کوشش کی۔ عیشہ احسن دراصل احسن علی کی بیٹی تھی اور احسن علی، نازیہ بھابھی کے بڑے بھائی تھے۔

"اس کے علاوہ مزید کیا بتایا ہے عیشہ نے آپ کو؟"

میں نے لہجے کو مزید دوستانہ بناتے ہوئے سوال کیا تاکہ دریہ سے سب کچھ اگلوا سکوں۔ نازیہ بھابھی کی طرح ان کی بھابھی بھی بچوں کی موجودگی کی پروا کیے بغیر ہر بات کر دینے کی عادی تھیں۔

"وہ اچھی لڑکی نہیں ہے بابا۔۔! وہ کہتی ہے کہ۔۔ وہ بہت بری ہے بابا! وہ آپ کو برا انسان سمجھتی ہے۔ اس نے سارے کلاس فیلوز کو بتا دیا کہ دریہ کے بابا اور مما میں جھگڑا ہو گیا ہے۔"

وہ اپنی انگلیوں کو چٹخاتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ اسے یقیناً کلاس میں فرینڈز کے سامنے سبکی کا احساس ہوا تھا۔

"ڈائی وورس کیا ہوتا ہے بابا؟" ہشام نے یکدم سوال کیا۔ میں گڑبڑا گیا۔ یہ ننھے ننھے بچوں کے ذہن کہاں کہاں تک رسائی حاصل کرتے تھے۔

"یہ آپ کو کس نے سکھایا؟" میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"دریہ نے۔" اس نے جھٹ بہن کا نام لیا۔

"مجھے عیشہ نے بتایا تھا۔" دریہ نے شرمندہ ہوتے ہوئے کہا۔

"وہ کہتی ہے یہ ایک ایسی چیز ہوتی ہے جو ہسبنڈ اپنی wives کو envelope میں رکھ کر دیتے ہیں

اور یہ بہت گندی چیز ہوتی ہے۔" میری آنکھوں کے تاثر سے خائف ہو کر اس نے سب باتیں خود ہی بتا دیں۔

میرا دماغ گھوم کر رہ گیا۔ آج کل کے بچوں کی ذہنی اپروچ اس قدر تیز ہو چکی ہے مجھے قطعاً احساس نہیں تھا۔

"بابا! کیا آپ بھی مما کو یہ دے دیں گے۔" دریہ نے جھجکتے ہوئے پوچھا تھا۔ میں گاڑی راؤنڈ اباؤٹ کے

قریب سے واپس موڑنے لگا، اس ذہنی حالت کے ساتھ نور العزت کے یہاں جانا مناسب نہیں تھا۔

"آپ کو مما اچھی کیوں نہیں لگتیں؟" یہ نکتہ ہشام نے اٹھایا۔ میں نے بیک ویو مرر سے اس کی جانب دیکھا پھر دریہ پر نظر ڈالی۔ بچوں کے معصوم ذہنوں سے پراگندگی کو دور کرنے کا یہی مناسب وقت تھا۔

"وہ آپ سے محبت جو نہیں کرتیں۔۔ آپ کو ڈانٹتی بھی ہیں۔" میں نے رسانیت سے کہا۔

"ہماری ٹیچر کہتی ہیں کہ جو زیادہ محبت کرتا ہے وہی زیادہ ڈانٹتا ہے۔ زیادہ ڈانٹ زیادہ بہتری کے لیے ہوتی ہے۔" دریہ نے میری بودی دلیل کو رد کیا۔

"ڈانٹ کے ساتھ پیار بھی بہت ضروری ہوتا ہے۔۔ آپ کی مما نے آپ کو کبھی پیار نہیں کیا۔" میں نے ایک اور تیر پھینکا۔ (میری سوچ کی انتہا ملاحظہ کیجئے)

"مجھے پیار لینا نہیں آتا بابا۔۔ یہ میری غلطی ہے۔"

"دریہ!" میں نے تحیر کی انتہا میں گھر کر اس چھوٹی سی بچی کی اس منطق کو ہضم کرنے کی کوشش کی۔

"میرا دل چاہتا تھا کہ میں بھی مما کے پاس بیٹھوں۔۔ ان کو پیار کروں وہ میرا ماتھا چومیں مگر۔۔ مجھے ان کے پاس جاتے ہوئے ڈر لگتا تھا کہ کہیں وہ خفا نہ ہو جائیں۔۔ مگر ہشام تو مما سے نہیں ڈرتا تھا۔۔ وہ خود ہی ان کے پاس جا کر ان کے بیڈ پر بھی لیٹ جاتا تھا۔۔ پھر چاہے وہ خفا ہوتیں یا ہشام کو ڈانٹتیں۔۔ ہشام ان کے ساتھ لیٹا ہی رہتا مما کا موڈ خود بخود ٹھیک ہو جاتا پھر وہ اسے اپنے ساتھ لگا کر پیار بھی کر لیتی تھیں۔ نانو کہتے ہیں کہ ہشام سب کا لاڈلا ہے کیونکہ ہشام کو سب سے پیار لینا آتا ہے۔"

وہ دھیرے دھیرے بول رہی تھی اور میرا دل اندر ہی اندر کہیں ڈوبتا جا رہا تھا۔ مجھے لگا جیسے میں آج کے بعد اس مقام سے ہل نہیں پاؤں گا، میری دس سالہ بیٹی اتنی گہری بات کر سکتی ہے مجھے بالکل بھی اندازہ نہیں تھا۔ محبت کرنا ایک جذبہ ہے اور محبت کروانا ایک آرٹ۔ دونوں باتیں بظاہر ایک سی دکھتی ہیں، مگر دونوں میں

کس قدر واضح فرق ہے۔

"مجھے مما بھی اچھی لگتی ہیں۔ مجھے آپ بھی اچھے لگتے ہیں مگر آپ دونوں کو صرف ہشام اچھا لگتا ہے۔ نانو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں کوئی نہ کوئی خوبی رکھی ہوئی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ سب سے ڈفرنٹ اور اچھا لگتا ہے۔۔ ہشام میں بھی یہی خوبی ہے بابا!۔۔ مجھ میں یہ خوبی نہیں ہے تب ہی میں مما کو اچھی نہیں لگتی اور میرا خیال ہے آپ میں بھی وہ خوبی نہیں ہے ورنہ آپ بھی مما کو اچھے لگتے۔"

دریہ کی باتیں مجھے پاتال میں اتار رہی تھیں۔

"پلیز دریہ! بیٹا اس قدر مت آزماؤ میری جان!"

میں نے اس کی آخری بات پر تڑپ کر اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ ہشام ہونقوں کی طرح ہم دونوں کی جانب دیکھ رہا تھا۔

اس کے بعد کیا ہوا یہ بتانے کی ضرورت تو نہیں۔ دراصل انسان بتانا کچھ اور چاہتا ہے مگر بات اس قدر پھیلتی جاتی ہے کہ اصل نکتہ کہیں دب کر رہ جاتا ہے۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ چاہے کوئی مانے یا نہ مانے مگر یہ بات کافی حد تک درست ہے کہ مرد کے اندر دوسری شادی کی خواہش پہلی شادی کے کچھ عرصے بعد ہی پیدا ہو جاتی ہے، مگر ہر مرد کا اس خواہش سے نبرد آزما ہونے کا طریقہ مختلف ہوتا ہے۔ جو لوگ اس خواہش کو پورا کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں وہ تو خیر "فاتحین" میں سے ہوتے ہیں مگر وہ لوگ جن کے اندر سمجھوتا نام کی بیماری اپنی جڑیں گہری کر چکی ہوتی ہے وہ ہنس کھیل کر جبکہ باقی میرے جیسے لوگ جن کے اندر سمجھوتا کسی کسی مقام

پر کمزور پڑنے لگتا ہے وہ تھوڑا ہنگامہ اور ہلکا پھلکا شور کرنے کے بعد اس خواہش کو دبانے میں کامیاب بہر حال ضرور ہو جاتے ہیں۔

میں عفیرہ کے سامنے سر تسلیم خم کر کے اسے منا کر واپس لے آیا تھا۔

"تم بہت عقل مند ہو عباس! مجھے امید تھی کہ تم اس پاگل پن سے جلدی نکل آؤ گے۔"

غیاث بھائی نے میرے اس فیصلے کے بعد مجھے سراہتے ہوئے کہا تھا۔

جبکہ اطہر نے تو باقاعدہ مجھے بمع اہل و عیال گھر پر ایک پر تکلف ضیافت دی۔ اس کا کہنا تھا۔

"تمہیں بھابھی سے بہت محبت ہے نا، میں پر یقین تھا کہ یہ معاملہ بہت جلد سیٹل ہو جائے گا۔"

ڈیڈی کی نظر میں میری اہمیت مزید بڑھ گئی تھی۔ انہیں بہت اچھی طرح سے سمجھ میں آ گیا تھا کہ ان کی خود سر بیٹی بھی غلطیاں کر سکتی ہے۔

"شکریہ عباس! تم نے میرا مان رکھ لیا۔"

وہ میرا کندھا تھپتھپاتے ہوئے کہنے لگے اور میں مسکرا دیا کیونکہ میرے بچے مسکرا رہے تھے۔ صرف انہوں نے ہی اس سارے معاملے کا کریڈٹ نہیں لینا چاہا تھا حالانکہ کچھ نہ کچھ کریڈٹ تو بہر حال انہی کو جاتا تھا جو میں اپنی ہٹ دھرمی سے باز آ گیا۔ کسی دانا کا قول ہے کہ مجھے لیور رکھنے کی جگہ بتا دی جائے تو میں زمین کا یہ کرہ الٹ سکتا ہوں۔ دریہ کا ایک ننھا سا جملہ مجھے اسی لیور کی مانند لگا تھا جو میرے ارض و سما کا کرہ الٹ گیا تھا۔

"مجھے پیار لینا نہیں آتا بابا! یہ میری غلطی ہے۔"

اس کی یہ ذرا سی بات میرے سامنے کتنی سوچوں کے در وا کر گئی تھی۔ میں خوفزدہ ہو گیا تھا۔ اپنے لیے نہیں، عفیرہ کے لیے بھی نہیں حتیٰ کہ نورالعزت کے لیے بھی نہیں، بلکہ دریہ عباس غوری کے لیے۔

انسان وہ جانور ہے جسے معاشرے کی لاٹھی سے ہنکایا جا سکتا ہے۔ ہم انسان اس معاشرے سے کبھی اپنے لیے

خائف رہتے ہیں اور کبھی اپنی اولاد کے لیے۔ دریہ کے ایک جملے نے مجھے نورالعزت کی ایک بات یاد دلا دی تھی۔

"کسی کو اپنی چاہ میں مبتلا کرنا در اصل ایک آرٹ ہے۔ یہ آرٹ ہر ایک کو نہیں آیا کرتا۔ میں اس آرٹ کی ابجد سے بھی واقف نہیں ہوں۔۔ مجھے محبت وصول کرنا نہیں آتی عباس صاحب! یہ میری زندگی کا کمزور پہلو ہے۔"اس نے ایک دفعہ مجھ سے یہ بات کہی تھی جب میں اس سے پوچھ بیٹھا تھا کہ وہ اس قدر خوبصورت اور ہر دلعزیز ہونے کے باوجود اب تک اکیلی کیوں ہے۔ اس کی یہ بات مجھے تب اس قدر متاثر کن نہیں لگی تھی مگر دریہ کے منہ سے یہ بات سن کر میں ششدر رہ گیا تھا۔

دریہ یکدم نورالعزت کے سراپے میں ڈھل گئی تھی اور وہ تمام جملے جو میں نے اپنے ارد گرد رہنے والوں کے منہ سے نورالعزت کے لیے سنے تھے وہ میری سماعتوں میں سانپ بن کر ڈنک مارنے لگے۔

"میں تو اس کا بھلا ہی سوچ رہی ہوں، اب اس عمر میں نجانے وہ کس کس بال بچوں والے کا ایمان خراب کرتی ہو گی۔"عفیرہ نے کہا تھا۔

"دیکھنے میں کس قدر معصوم ہے مگر گنوں کی پوری ہے۔۔ کوئی ایویں تو کسی کا ہنستا بستا گھر اجاڑنے پر تیار نہیں ہوتا۔۔ کیڑے پڑیں گے اس عورت کو۔"

نازیہ بھابھی نے اپنے مخصوص انداز میں بد تمیزی کی انتہا کی تھی۔

"غصہ مت کرنا عباس! شادی شدہ مردوں کو رجھانے والی عورتیں اچھے کردار کی حامل نہیں ہوتیں۔"

اطہر نے کہا تھا۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی باتیں تھیں، بہت سے جملے تھے جو میں نے اس لڑکی کے لیے سنے تھے اور ہر بار میرا دل تڑپ اٹھا تھا کہ بہر حال میں اسے بہت اچھی طرح جانتا تھا، وہ بہت اچھی لڑکی تھی جس کی ہمراہی کسی بھی مرد کی زندگی کو جنت بنا سکتی تھی، مگر ان سب کے باوجود میرے سامنے دریہ کا چہرہ نور

WWW.PAKSOCIETY.COM

العزت کے سراپے میں ڈھل کر آیا تو میں اندر تک ہل گیا۔

میری دریہ کو وہی سب باتیں سننا پڑتیں جو نور العزت کو سننا پڑ رہی تھیں تو میں بالکل ٹوٹ پھوٹ جاتا۔ انسان ہر مقام پر ان لوگوں کے لیے قربانی دیتا ہے جن سے اسے بہت محبت ہوتی ہے۔ مجھے کسی چیز نے اپنے فیصلے سے پیچھے ہٹنے پر مجبور نہیں کیا تھا مگر یہ میری برداشت سے بہت زیادہ تھا کہ یہ معاشرہ میری بیٹی کو ایک بی کلاس عورت کہتا۔

امید تو یہی ہے کہ بات آپ کو سمجھ میں آگئی ہو گی لیکن اگر نہیں بھی سمجھ میں آئی تو خیر ہے کہ بہر حال آپ بھی اسی معاشرے کا حصہ ہیں، باقی واللہ العلم۔